دنیا کا مال ومتاع

عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ تو آپ نے فرمایا:

" يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِيْ مَالِيْ قَالَ وَهَلْ لَّكَ مِنْ مَّالِكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِلَّا مَآ اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ ـ"

''انسان کہتا ہے ''میرا مال، میرا مال'' فرمایا: اے ابن آدم! تیرے مال میں تیرا کچھ بھی نہیں مگر جو کچھ کہ تو کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا، یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔'' [مسلم: ۳/ ۲۹۵۸]

ایک روایت میں ہے:

" مَا سِوٰی ذَالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ ـ"

یعنی ''اس کے علاوہ تیرے پاس جو مال بھی ہے اس کو چھوڑ کر تو دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔''

تکبر کی حرمت

(۲۶)...... وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ قَالَ، قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهٗ فِی النَّارِ۔

[مسلم: ۱۳٦/ ۲٦۲۰۔ ابوداود: ٤۰۹۰۔ ابن ماجه: ٤۱۷٤]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، بڑائی اورعظمت میری تہ بند ہے جو شخص ان دو چیزوں سے کسی کو بھی مجھ سے چھینے گا میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔''

یعنی ہر قسم کی بڑائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں اور اس کے ساتھ خاص ہیں۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ ان صفات میں شریک نہیں ہو سکتا اور کسی بھی مخلوق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کو اپنائے اور مخلوق کی صفت تواضع اور انکساری ہے۔

چادر اور ازار کو یہاں بطور مثال ذکر کیا ہے۔ کیوں کہ عموماً چادر اور ازار میں شراکت نہیں ہوتی اس لیے فرمایا کوئی مخلوق بھی میری کبریائی اور عظمت میں شریک نہیں ہو سکتی۔

فمن نازعني واحدا منهما یعنی ان دو اوصاف میں سے کسی کو بھی کوئی شخص مجھ سے چھینے گا یعنی ان صفات کو کوئی شخص اپنا کر میرا مشارک بننے کی کوشش کرے گا تو میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔

صحیح مسلم میں ہی ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانے برابر بھی تکبر ہو تو وہ جنت میں نہیں جائے گا اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

اسی طرح صحیح مسلم کتاب اللباس میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان الذی یجر ثیابه من الخیلاء لا ینظر الله الیه یوم القیامة کہ جو شخص تکبر سے اپنے کپڑے کو گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے روز نہیں دیکھیں گے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی اپنی دو چادروں میں اکڑتا ہوا چل رہا تھا کہ وہ خود پسندی میں مبتلا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ اس میں قیامت تک دھنستا چلا جائے گا۔

سنن ابوداود میں ہے کہ حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کپڑا لٹکانے میں تہ بند، قمیص اور عمامہ سب شامل ہیں جس نے ان میں کسی کو بھی تکبر سے لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے روز نظر نہیں کریں گے۔

نیز سنن ابوداود میں ہے: چادر لٹکا کر نماز پڑھنے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔

جامع ترمذی میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھیں گے اور نہ انہیں پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ صحابہ نے کہا وہ کون ہے جو ناکام و نامراد ہوئے؟ فرمایا: ① احسان جتلانے والا، ② تہ بند لٹکانے والا، اور ③ اپنے سامانِ تجارت کو جھوٹی قسم کے ذریعے فروخت کرنے والا۔

فہرست

رزق حلال اوراس کا استعمال

﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴾ [طه:۲۰/ ۸۱]

''کھاؤ پاک چیزیں جو دیں ہم نے تمہیں اور اس میں سرکشی نہ کرو ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہو پڑے گا، اور جس پر میرا غصہ اترا تو وہ برباد ہی ہوگیا۔''

مسلمان کے لیے قناعت میں فلاح

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

《 قد أفلح من أسلم ورزق كفافا وقنعه الله بما أتاه 》 [مسلم: ۱۲۵/ ۱۰۵٤]

''وہ شخص کامیاب ہوگیا جو مسلمان ہوجائے اور پورا پورا رزق دیا جائے اور جو کچھ اللہ نے اس کو دیا اس پر قناعت کرے۔''

8 تا 14 فروری 2008ء......(184)......29 محرم الحرام 1429ھ

سفر سے گھر واپسی کی دعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنگ، حج یا عمرہ سے لوٹتے تو ہر اونچی جگہ چڑھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہتے، پھر آپ یہ دعائیں پڑھتے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ .

اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ .

صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ . [بخاری: ۲۹۳۳]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے بادشاہی اور تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(ہم) لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، بندگی کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔

اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا، اپنے بندے کی مدد کی، کفار کے لشکروں کو اکیلے ہی شکست دے دی۔

سورج کی طرح روشن......

اداریہ حافظ احمد شاکر

وطن عزیز میں آج کل انتخابات کی ...... گہما گہمی نہیں ...... ہما ہمی شروع ہے۔ ان انتخابات کی عوام کو ضرورت ہے کہ نہیں؟ اور اگر ہے تو آیا یہ انتخابات عوام کے دکھوں کا مداوا یا ان کے زخموں پر مرہم ثابت ہوں گے یا نہیں؟ یہ ایک الگ مسئلہ ہے، البتہ ہمیں جو چیز سمجھ میں آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ یہ انتخابات ہماری موجودہ یعنی سابقہ وعبوری حکومت کی ضرورت ہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ انتخابات امریکا کی ضرورت ہیں اس لیے کہ یہ حکم ران جس انہماک، خشوع اور خضوع سے زبان ''اِن'' کی ہے بات ''اُس کی'' پر عمل پیرا ہیں امریکا بہادر کو ابھی تک ان کا کوئی نعم البدل نہیں مل رہا۔ اس لیے وہ یہ چاہ رہا ہے کہ نئے کو نو (۹) دن کی بجائے پرانے ہی کو سو دن چلائیں۔

یہ بات تو تاریخ محفوظ کر چکی ہے کہ امریکا کو پاکستان میں اب تک ان حکم رانوں سے زیادہ وفا شعار اور اطاعت گزار کوئی نہیں ملا۔ بے نظیر اور میاں نواز شریف نے اپنے اپنے اَدوار میں اگر چہ شوق ''قدم بوسی'' میں اپنی اپنی خدمات بڑھ چڑھ کر پیش کی تھیں لیکن جب ان دونوں جلا وطن لیڈروں نے وطن عزیز آ کر اس کا اور اس کے عوام کا حال زبوں دیکھا تو انھیں وطن عزیز اور اس کے عوام کی خدمت وخوش نودی کو انکل سام کی دریوزہ گری پر ترجیح دینا پڑی۔ امریکا نے جب اپنی پہلی اور مؤثر ترجیح کے بدلتے تیور بھانپ لیے تو اس نے وہ کانٹا ہی صاف کر دیا اب بہ ظاہر دوسری ترجیح میاں نواز شریف دکھائی دے رہے ہیں لیکن ان کے تیوروں پر بھی ابھی تک وہ مطمئن نہیں ہو رہا کہ میاں صاحب ابھی تک اس کی مکمل یا اندھی بیعت پر آمادہ نظر نہیں آ رہے۔ اس لیے امریکا چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ایسے انتخابات ہو جائیں جس سے وہ اپنا مقصود یعنی ...... خاکم بدہن ...... مسلم امہ کی تباہی حاصل کر سکے۔

....

دو تین دھائیوں سے دنیائے سیاست میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اب دنیا میں تفوق و برتری، تیر وتفنگ یا گولہ وبارود کی مرہون نہیں بلکہ اب کامیابی وکامرانی کا انحصار معیشت پر ہوگا اور ہو رہا ہے۔ اس زاویہ سے ہم کو دیکھنا چاہیے اور ذرا ماضی سے دیکھنا چاہیے۔

نقشہ عالم پر نمودار ہو کر امریکا نے جب پر پرزے نکالے تو اس نے خالصتاً یہودیانہ ذہنیت کے ساتھ کہ باخبر حضرات کے مطابق امریکی حکومت ومعیشت اب تک یہودی پالیسی سازوں کے نرغے میں ہے، معیشت کو مدنظر رکھ کر اسلحہ سازی، سامان آرائش ...... جن کو ضرورت بنا دیا گیا ...... وآسائش تیار کرنا اور لوگوں تک پہنچانا شروع کر دیا اور کمزور ومفتوح ممالک کو یہ ضرورتیں امریکا سے خریدنے کا پابند کر دیا گیا اور وہ یہ اسلحہ وسامان آرائش وزیبائش امداد وتعاون کے نام پر ان ممالک کو بطور قرض دیتا رہا۔ ان ممالک سے وہ سود خوروں کی طرح سود تو وصول کرتا رہا لیکن اصل زر اس نے ہمیشہ باقی رکھا۔ اس طرح اس کی ساری معیشت کی عمارت سود کی بنیاد پر کھڑی ہوگئی اور کھڑی رہی، مثلاً اس نے دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان، جرمن اور پھر ویت نام کی جنگ کے بعد بعض پسماندہ مشرقی ممالک کو اپنی مصنوعات اور قرضے کے حصار میں رکھا۔ جس مدت اور عرصے کو امریکا ترقی یافتہ سمجھتا رہا ہمارے خیال میں قانونِ الٰہی کے مطابق وہ اس کے لیے مہلت اور ڈھیل تھی۔ مفتوحہ ممالک معاہدے ختم ہونے کے بعد خود کفالتی کی خاطر صنعت کے میدان میں آ گئے اور انہوں نے معیار اور قیمتوں میں امریکا کے مقابلے کی ٹھان لی تو اس نے اپنے نئے گاہک اور منڈیاں تلاش کر لیں۔ تا آنکہ مصنوعات بجلی وپٹرول میں جاپان دنیا پر چھا گیا۔ یہ میدان ہاتھ سے جاتا دیکھ کر اس نے معیشت کا انحصار اسلحہ سازی پر کرنا شروع کر دیا اسلحہ کی کھپت کے لیے چوں کہ میدانِ جنگ ضروری ہوتا ہے تو اس نے مختلف اقوام اور ممالک میں بدامنی پھیلا کر اسلحے کی فروخت سے اپنی معیشت کو استوار رکھا۔

غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ گزشتہ صدی میں دنیا کے مختلف خطوں میں جتنی جنگیں ہوئیں وہ جنگیں دوقسم کی تھیں۔ یہ جنگیں یا تو مسلم ممالک کے درمیان تھیں ان کا کوئی مثبت نتیجہ اب تک کم از کم ہمارے علم میں نہیں آیا۔ ہاں یہ جنگیں مسلمانوں کے مال وجان کے ضیاع کا باعث ضرور ہوئیں۔ مثلاً ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ، پھر ایران عراق جنگ، عراق کویت جنگ۔ دوسری قسم مسلمانوں سے عیسائیوں کی جنگیں (کسووو، سربیا، بوسنیا وغیرہ) جن میں اس کی ہم دردیاں ہمیشہ عیسائیوں کے ساتھ رہیں۔ لیکن ان کا نقصان یہ ہوا کہ کم وبیش ہر جنگ میں مختلف عنوانوں پر مرتے مسلمان رہے اور اسلحہ اس کا بکتا رہا۔ ان جنگوں میں اس کے اسلحہ کی فروخت نے اس کو معاشی استحکام بخشا۔ وہ اشیائے آسائش وآرائش جواب انسانوں کی ضرورت بن چکی تھیں ان میں جاپان وغیرہ نے اس کو اس حد تک مات دے دی کہ یورپی وامریکی لوگ بھی جاپانی اشیاء کو ترجیح دینے لگے۔ مفتوحہ ممالک معاہدوں کی مدت ختم ہونے پر جب اس کا اصل زر واپس کرنے لگے تو پھر اس نے ایک طرف تو ہم جیسے ترقی پذیر ممالک کو اپنے دام ہم رنگ زمین میں پھنسا لیا اور دوسری طرف بعض آسودہ حال مسلم ممالک کا سرمایہ بینکوں کے ذریعے حفاظت کے نام پر امریکا میں اکٹھا کر کے استمتاع کرتا رہا۔ عالمی سطح پر اس کے بغض مسلم اقدامات اور اسلام کے متعلق اس کے معاندانہ رویے کو دیکھ کر جب ممالک اسلامیہ کے سربراہوں کی آنکھیں کھلیں تو انھوں نے امریکا سے سرمایہ اپنے ممالک میں لانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے ان ممالک میں کاروبار حصص یعنی سٹاک ایکسچینج کا پرفریب جال پھینک دیا جس میں بہت سے مسلمان سرمایہ دار پھنس گئے اور اس بری طرح پھنسے کہ حکومتوں کو انھیں سہارا دینا پڑا۔ جس سے آسودہ حال ممالک کی معیشت متزلزل ہوگئی اور مضبوط معیشت کے ممالک بھی افراطِ زر کا شکار ہونے لگے جس سے امریکا تو عارضی طور پر سیدھا ہوگیا لیکن ان ممالک میں بھی مہنگائی کے عفریت نے جبڑے کھول دیے۔ اسی طرح کریڈٹ کارڈ کا خوش کن جال اس نے پھیلایا جس سے لوگوں نے اپنا سٹیٹس تو بلند کر لیا لیکن اخراجات کی ناہمواری اور روزمرہ اخراجات میں سود کی آمیزش سے برکت اٹھ گئی اور لوگ معاشی تباہی کی طرف مزید لڑھکنا شروع ہوگئے۔ نیز نہایت عیاری ومکاری سے اس نے بہت پہلے تجارتی لین دین کو ڈالر کے ساتھ منسلک کر لیا، انسلاک کی اس زہرناکی کو جب دوسرے یورپی ممالک نے محسوس کیا تو انھوں نے پونڈ کے علاوہ ایک نئی کرنسی یورو ایجاد کر لی جس نے ڈالر کے بڑھتے ہوئے نرخ اور رسوخ کو پہلے تو سٹاپ کر دیا اور اب ڈالر روبہ زوال ہونے لگا ہے۔

چند سالوں سے معیشت کی دنیا میں جب سے چین آیا تو اس نے معیشت کا تانا بانا ہی ہلا دیا ہے۔ یورپین ممالک تو چائنا کے استحکام، ہمت، رفتار اور معیار کے لحاظ سے عاجز آ ہی گئے تھے جاپان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ معیشت کی دنیا میں امریکا کو اب جان کے لالے پڑے ہوئے تھے کہ اس نے شکست روس کے بعد پاکستان اور افغانستان کو غیر مستحکم رکھنے کی پالیسی اس لیے اپنائی کہ روس کی نوآزاد شدہ مسلم ریاستوں کے معدنی ذخائر اور ذرائع آمدن پر مکمل قبضہ کیا جا سکے۔ چناں چہ اس نے افغانستان پر شب خون مارا تو بدقسمتی سے افغانستان کے مسلم پڑوسی پاکستان کے حکمران ظالم حملہ آور کو نعمت غیر مترقبہ کے طور پر میسر آئے جنھوں نے اس کے ایک ہی ٹیلی فون پر اس کے وہ مطالبات بھی مان لیے جو اس نے برائے وزن بیت رکھے تھے۔ پھر اسی ہوسِ تفوق وبرتری کی وجہ سے تیل کے ذخائر اپنے قبضہ میں کرنے کے لیے خالصتاً جھوٹی رپورٹوں کی بنیاد پر اس نے عراق پر بھی چڑھائی کر دی۔ اب عراق وافغانستان میں صلیب نے مسلم کشی کی ایسی تاریخ رقم کر دی ہے جس کی مثال شاید تاریخ میں بھی نہ ہو۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ جنگ عراق وافغانستان میں اس کی کامیابی کے امکانات دور دور تک نظر نہیں آ رہے لیکن ان دونوں جگہ امریکا کا ذاتی خرچ ہو رہا ہے۔ اس لیے امریکا اپنی تاریخ کے خطرناک ترین معاشی بحران میں الجھ چکا ہے اور یہ الجھاؤ ہر روز اس طرح بڑھ رہا ہے کہ اب وہ تنزل کی ڈھلوان تک پہنچ چکا ہے۔ ادھر دنیا میں اس کے اسلحہ کے خریدار بھی کم ہونا شروع ہوگئے ہیں کہ بعض ترقی پذیر ممالک اسلحہ سازی میں بہت تیزی سے ترقی کر رہے ہیں اس تناظر میں ہم جب اپنے ہاں ہونے والے انتخابات کا جائزہ لیتے ہیں تو سوچ آتی ہے کہ ہمارے حکم رانوں کو سورج کی طرح روشن امریکی زوال نظر کیوں نہیں آ رہا؟ وہ گرتی ہوئی دیوار کے سائے تلے کیوں کھڑے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں جو لوگ امریکا کا زوال دیکھ رہے ہیں ان کی بات صحیح تسلیم کرنے میں بہ ظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔

عادل حاکم

شیخ عمر فاروق

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ ـ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ـ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ: اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وُلُّوْا » [رواه مسلم، رياض الصالحين، رقم الحديث: ٦٦٥]

''سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (روزِ قیامت) عدل کرنے والے نور کے منبر پر ہوں گے، وہ جو اپنی حکومت میں، اپنے اہل خانہ میں اور ہر اُس کام میں جو اُن کے سپرد ہوا عدل وانصاف سے کام لیں۔''

لغت:

''عَــدْلٌ'' کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی یا بیشی نہ ہو۔ تو اُس کو عربی زبان میں ''عدل'' کہتے ہیں اور اس سے وہ معنی پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اِس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں کہ جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں، اس میں سچائی کی میزان کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہی بات کہی جائے اور وہی کام کیا جائے جو سچائی کی کسوٹی پر پورا اُترے، اِس تشریح سے معلوم ہوگا کہ اخلاق کی ترازو میں عدل وانصاف کا پلہ بھی کچھ کم بھاری نہیں۔ [سیرت النبی، جلد ششم]

''عدل'' کو اِس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ کسی چیز کے ٹھیک اپنے محل اور اپنی حدود کے اندر ہونے کا نام ''عدل'' ہے اور اس کی ضد ''ظلم'' ہے یعنی ایسی بات جو حد سے تجاوز کر جائے۔

''عادل حکمران'' وہ شخص کہلائے گا جو اپنی رعایا میں انصاف سے فیصلے کرے، اُس کی نگاہ میں امیر غریب، طاقت ور کمزور، اپنے پرائے سب برابر ہوں، اور وہ اپنے سامنے صرف حق بات کو سامنے رکھے، یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب قرآنِ حکیم نے توجہ دلائی ہے۔

﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ [المائدة: ٥/ ٨]

''انصاف کیا کرو، یہی (بات) پرہیزگاری سے قریب تر ہے۔''

ایک اور مقام پر صراحت کے ساتھ حکم ہوتا ہے:

﴿ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ﴾ [النساء: ٤/ ٥٨]

''(مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے) کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو (اور دیکھو!) اللہ تم کو نہایت ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے۔ (یقیناً اس سے تمہاری معاشرتی زندگی صاف ستھری ہو جائے گی۔)''

ہمیشہ حق اور انصاف کی بات کہو خواہ اس میں تمہارا اپنا یا عزیز واقارب کا اور دوست واحباب کا نقصان ہوتا ہو، اسلام کی بلند اور پاکیزہ تعلیمات پر غور کرتے جائیے کہ عدل وانصاف کی اس سے بہتر تعلیم اور کیا مل سکتی ہے؟ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴾ [النساء: ٤/ ١٣٥]

''اے ایمان والو! انصاف کے علم بردار اور اللہ واسطے کے گواہ

بنو اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو، اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اُس کی خبر ہے (روز قیامت تمہیں اُس کے حضور ہر ہر بات کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا)''

عدل وانصاف کی بات کا پہلو اور زیادہ نازک اور آزمائش دہ ہو جاتا ہے جب فریق مخالف دشمن ہو، اسلام نے اس مقام پر بھی عدل وانصاف ہی کو فوقیت دی ہے۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [المائدۃ: ۵/ ۸]

''اے ایمان والو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، (یاد رکھو!) کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔''

آخر آپ غور کریں کہ عدل وانصاف کی اس قدر تاکید کیوں آئی ہے؟ اس لیے کہ ربّ کریم کا یہ نظام عدل وانصاف کی بنیاد پر قائم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ﴾

''آپ کے رب کا کلام سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔'' [الانعام: ٦/ ١١٥]

دنیا کا یہ سارا کارخانہ جو آسمان سے لے کر زمین تک پھیلا ہوا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بل بوتے پر قائم ہے، وہ اپنی تمام مخلوقات پر اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کیے ہوئے ہے اور یہی اُس کی وحدانیت کی دلیل ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لا وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

[آل عمران: ٣/ ١٨]

''اللہ تعالیٰ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے، وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اُس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا، اُس کے ذریعے سے اُس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔''

[فتح القدیر بحوالہ احسن البیان]

فرشتے اور اہل علم بھی اُس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں، اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ اُن کا ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب وسنت کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ (اے ربّ کریم! مجھے بھی ان اہل علم میں شامل فرما، آمین) [احسن البیان]

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ وہ عدل قائم رکھنے والا ہے۔

''اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل وانصاف صرف نظم وسلطنت ہی کے لیے مخصوص نہیں ہے، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل کی ضرورت ہے اور نظامِ عالم محض عدل کی وجہ سے قائم ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی جامع آیت میں جن اچھی باتوں کا حکم دیا۔ اُن میں سب سے پہلے عدل وانصاف ہی کرنے کا حکم فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ [النحل: ١٦/ ٩٠]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

عدل قانون کا اقتضا ہے (کہ معاشرتی زندگی کا نظم ونسق اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا) اور احسان اور درگزر کرنا اخلاق کا مطالبہ ہے (کہ ہمدردی وغم خواری سے معاشرتی زندگی پھلتی پھولتی ہے۔)

[سیرت النبی جلد ششم]

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''عدل'' کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں یعنی اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت وقرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملے میں افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی۔ کیوں کہ دین میں افراط کا نتیجہ ''غلو'' ہے جو سخت مذموم ہے اور تفریط دین میں کوتاہی ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ (گویا عدل سے معاشرہ کی اور عقائد کی اصلاح ہوتی ہے۔)

جب کہ ''احسان'' کے معنی حسن سلوک، عفو ودرگزر اور معاف کردینے کے ہیں۔ دوسرے معنی ''تفضّل'' کے ہیں یعنی واجب حق سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا، مثلاً کسی کام کی مزدوری سو روپے طے ہے لیکن دیتے وقت ۱۰، ۲۰ روپے زیادہ دے دینا، طے شدہ سو روپے کی ادائیگی حق واجب ہے اور یہ عدل ہے، مزید ۱۰، ۲۰ روپے یہ احسان ہے عدل سے بھی معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے، لیکن احسان سے مزید خوشگواری اور اپنائیت وفدائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں اور فرائض کی ادائیگی کے ساتھ نوافل کا اہتمام، عمل واجب سے زیادہ عمل ہے جس سے اللہ کا قرب خصوصی حاصل ہوتا ہے۔ ''احسان'' کے ایک تیسرے معنی اخلاصِ عمل اور حسن عبادت ہے جس کو حدیث میں "وَاَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ" (اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (اسی طرح ''احسان'' کے چوتھے معنی احسان ومروت ہے جو عام ہے اس میں سرفہرست والدین ہیں، پھر غربا ومساکین، بیوگان اور یتامی ہے وغیرہ ہیں۔) [احسن البیان]

عدلِ شخصی اور عدلِ اجتماعی:

عملی نقطہ نگاہ سے ہم عدل کو دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ عدل شخصی اور عدل اجتماعی، اگر یہ ذات یا شخص کی صفت بنتا ہے تو شخصی عدل کہلاتا ہے اور اگر جماعت یا حکومت کی صفت قرار پاتا ہے تو اجتماعی عدل کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔

شخصی عدل:

معاشرتی زندگی حقوق وفرائض سے وابسطہ ہے اور افراد سے مل کر معاشرہ بنتا ہے۔ معاشرہ افراد کی حفاظت کرتا ہے تو ایک اچھے معاشرہ کا ہر فرد اپنی ذمہ داریوں کو پہچانتا ہے اور اُس میں رہتے ہوئے ٹھیک ٹھیک اپنے حصہ کو وصول کرنے اور بغیر کمی کے ٹھیک ٹھیک دوسروں کے حقوق کو ادا کرنے کا نام ''عدل'' ہے اس بات کو مثال سے یوں سمجھئے کہ آپ نے کسی دکان دار سے کپڑا خریدا، اُس نے ٹھیک طرح کپڑے کی پیائش کی، اُس نے اپنا حق ادا کردیا، اُس نے آپ کے ساتھ عدل کیا، آپ نے کپڑے کی قیمت ادا کرتے وقت جانتے بوجھتے ہوئے چند جعلی سکے یا نوٹ اُس میں شامل کردیئے تو یہ ''عدل'' کی خلاف ورزی ہوگی اور آپ کا یہ عمل ''ظلم'' قرار پائے گا یا دکان دار نے تو ٹھیک ٹھیک قیمت وصول کرلی مگر کپڑے کی پیائش کرتے ہوئے ہوشیاری کے ساتھ اُس میں خیانت کی تو اُس کا یہ عمل ''عدل'' کی خلاف ورزی ہوگی اور ''ظلم'' کہلائے گا۔ قرآنِ حکیم نے کتنی کھری بات کہی ہے:

﴿ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

''پیمانے سے دو تو پورا بھر کر دو، اور تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو، یہی اچھا طریقہ ہے اور بلحاظِ انجام بھی یہی بہتر ہے۔''

اِسی ''اصول'' کو زندگی کے ہر دائرے اور ہر معاملے میں پھیلا دیجیے نہ تو انفرادی معاملات میں حق تلفی ہوگی اور نہ ہی اجتماعی اور معاشرتی معاملات میں ہی ظلم ہوگا اور معاشرہ صاف ستھرا بن جائے گا

اور یہی خوبی ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھا۔

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بے باک
عدل اُس کا تھا قوی ، لوثِ مراعات سے پاک
شجر فطرتِ مسلم تھا حیا سے نمناک
تھا شجاعت میں وہ اِک ہستی فوق الادراک

اجتماعی عدل:

اِس کا اطلاق کسی بھی آزاد ریاست میں قائم ہونے والی حکومت پر ہوتا ہے، وہاں کی ''عدلیہ'' کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ امیر اور غریب، طاقت ور اور کمزور کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھے۔ کیوں کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔

''عدل اجتماعی'' کی ایک اور خطرناک بات جانب داری کا روّیہ ہے۔ اِسے عربی زبان میں "الانحیاز" کہتے ہیں اور جانب داری کا روّیہ اختیار کرنے والا شخص "المتحیز" کہلاتا ہے، ایسا قاضی یا جج عادل نہیں ظالم کہلائے گا، اسلام کی پاکیزہ اور مصفی تعلیمات اس عادت کو سختی سے روکتی ہیں۔ اس واقعہ پر غور کیجیے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے چوری کی آبرو دار عورت تھی، لوگوں کو بہت گراں گزرا کہ اُس کی بے عزتی ہو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کون اِس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرے، طے یہ پایا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کو بہت محبوب ہیں، وہی سفارش کریں۔ چناں چہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى ؟"

''کیا تم اللہ کی حدوں کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟''

پھر آپ ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

" اِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَاِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَاَيْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا ۔" [متفق عليه، رياض الصالحين، رقم الحديث: ۱۷۷۹]

''تم سے پہلی امتیں اِسی لیے ہلاک ہوئیں کہ جب اُن میں کوئی شریف اور معزز آدمی چوری کرتا تو اُس کو بے سزا دیئے چھوڑ دیتے اور غریب اور کمزور چوری کرتا تو اُس کو سزا دیتے، اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اُس کا ہاتھ کاٹوں گا۔''

ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش سن کر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا تم اللہ کی حدوں میں سفارش کرتے ہو، سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے لیے بخشش طلب کریں (یعنی اسامہ رضی اللہ عنہ کو اِس سفارش سے غلطی کا احساس ہوا اور ندامت ہوئی) پھر آپ ﷺ کے حکم سے اُس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ [حوالہ ایضاً]

تاریخ اسلام عدل وانصاف کے واقعات سے بھرپور ہے، نہ صرف اپنوں کے ساتھ بلکہ غیروں کو بھی اِس سے محروم نہ رکھا گیا۔ اسلامی نظام حکومت میں غیر مسلموں کے جان ومال بھی مسلمانوں کی طرح محفوظ ومامون تھے اور ایسا بھی ہوا کہ مسلمانوں کے عدل وانصاف کی بنا پر وہ دائرۂ اِسلام میں چلے آئے، اس واقعہ پر غور کیجیے:

امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا دورِ خلافت ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں رعایا کی خبر گیری کے لیے گشت میں ہیں، اچانک اُن کی نظر ایک عیسائی پر پڑتی ہے، اُس کے پاس اپنی زرہ نظر آتی ہے وہ اُس کو لے کر قاضی شریح کے پاس جاتے ہیں اور ایک عام آدمی کی طرح اُس کے خلاف مقدمہ پیش کرتے ہیں ''یہ میری ہے اور میں نے نہ اِسے فروخت کیا ہے اور نہ یہ ہبہ کی ہے'' قاضی شریح نے عیسائی سے دریافت کیا کہ امیر المومنین جو کچھ کہہ رہے ہیں اُس کی بابت تمہیں کچھ کہنا ہے؟ عیسائی نے کہا زرہ تو یقیناً میری ہے اور امیر المومنین بھی میرے نزدیک جھوٹے آدمی نہیں ہیں، شریح نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر پوچھا کہ امیر المومنین کوئی ثبوت ہے؟ جواب دیا میرے پاس کوئی ثبوت تو نہیں ہے۔ چناں چہ قاضی شریح نے فیصلہ سنایا کہ زرہ عیسائی کو دے دی جائے عیسائی اُسے لے کر جانے لگا اور امیر المومنین

اُسے دیکھتے رہے، چند قدم جا کر وہ عیسائی واپس آیا اور رقت بھری آواز میں کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کے احکام ہیں، امیر المومنین مجھے اپنے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہ اُن کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔

" اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ـ"

وہ عیسائی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے، نعمت اسلام پانے کے بعد صداقت اُس کے دل میں گھر کر چکی ہے، وہ برملا پکار اٹھتا ہے۔

''امیر المومنین! اللہ کی قسم، یہ زرہ آپ کی ہے، جب آپ نے صفین کی جانب کوچ کیا، تو میں آپ کے لشکر کے پیچھے ہولیا، یہ زرہ آپ کے بادامی رنگ والے اونٹ پر سے نکلی، اِس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم ایمان لے آئے تو یہ زرہ تمہاری ہے۔

[کتاب نقوش تابندہ، ڈاکٹر محمد اجتباء ندوی]

مسلمان اور تقویٰ، تقویٰ اور عدل لازم ملزوم ہیں، مگر افسوس کہ مسلمان کی روح اس دولت گراں مایہ سے محروم ہو چکی ہے۔ اگر روح مردہ ہوگئی ہو، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے دل زنگ آلود ہوگیا ہو اس میں موت کا خوف سما گیا ہو، حق کی خاطر جہاد کرنے کا ولولہ ختم ہو چکا ہو تو ایسے بے روح جسم کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں آتی۔ اُس کی مدد اُن لوگوں کے لیے آتی ہے جو اپنے اندر جان پیدا کرتے ہیں اُس کا قانون یہی ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾

''جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے (خلوص اور محنت سے راہِ حق میں کوشاں رہیں گے) انہیں ہم اپنا راستہ دکھائیں گے۔'' [العنکبوت: ٢٩/ ٦٩]

تیرا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے

پاکستان اور نظام عدل:

آج سے کوئی ساٹھ برس قبل پاکستان معرضِ وجود میں آیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی سے بہرہ ور فرمایا۔ ربّ کائنات کے حضور ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ اِس سرزمین میں اُسی کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ اسلام کے عادلانہ نظام سے ہر شہری کے حقوق محفوظ ہو جائیں گے۔ امیر وغریب کو زندگی میں پھلنے پھولنے کے یکساں مواقع میسر ہوں گے، مفت تعلیم، صحت کی بحالی، علاج ومعالجہ اور عدل وانصاف بلامعاوضہ ہر شہری کے حق ہوگا گویا پاکستان نمونے کی اسلامی فلاحی ریاست ہوگی، مگر افسوس اور صد افسوس ہم خواہشاتِ نفس کا شکار ہو گئے اور تمام اخلاقی ضابطوں کو پس پشت ڈال دیا، آج تک اسلامی قانون کا نفاذ نہ ہوسکا۔

ہر بننے والی حکومت نے اسلام کا نام تو ضرور لیا مگر اسلامی نظام حیات کو عملی جامہ نہ پہنایا اِن ساٹھ برسوں میں جو ظلم وستم ہوا، اُس کے راز تو روزِ جزا وسزا ہی کھلے گے ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴾ مگر جس پستی اور ذلت کے مقام پر ہم کھڑے ہیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور گزشتہ چند ماہ میں عدلیہ کا جو حشر ہوا ہے اُس سے ننھے منے بچوں کے ذہن بھی آگاہ ہیں اور اُن کے دلوں پر خوف وہراس چھایا ہوا ہے، کسی شخص کا جان ومال محفوظ نہیں ہے، مساجد اور عبادت گاہیں بھی خطرات سے خالی نہیں ہیں، رواں دواں ٹرینیں اور بسیں دھماکوں کا شکار ہوتی ہیں اور معصوم جانیں سرراہ تڑپتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں۔

یہ خطہ زمین کسی کے باپ دادا کی وراثت نہیں ہے کہ وہ اس پر قبضہ کر کے بیٹھ جائے، اس سرزمین کے حصول کے لیے لاکھوں انسانوں نے جانی اور مالی قربانیاں دی ہیں اور غریبوں نے اسے اپنے خون سے سینچا ہے اور یہ قربانیاں صرف اور صرف اس لیے دی گئی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر اُسی کا قانون نافذ ہوگا۔

اے ربّ کریم! ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دے اور ہم ناتواں لوگوں کو ہمت عطا فرما کہ تیرے دین کو اس ملک میں اور پھر دنیا بھر میں غالب کرسکیں، آمین۔



ثواب وعذاب قبر اور برزخی زندگی کے متعلق سوالات اور ان کے جوابات

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ خان مدنی صاحب

سوال: ہمارے علاقے سراج پارک شاہدرہ میں بعض لوگوں نے کچھ عرصے سے فتنہ بپا کررکھا ہے۔ یہ لوگ اس بات کی تبلیغ کررہے ہیں کہ ''مرنے والے ہر نیک وبد آدمی کو ایک نیا برزخی جسم دیا جاتا ہے اوراس برزخی جسم پر ہی عذاب قبر یا راحت قبر کی کیفیات واحوال گزرتے ہیں۔ دنیاوی بدن کا موت کے بعد روح سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور یہ دنیاوی بدن تباہ ہوجاتا ہے۔''

جو شخص برزخی جسم کے عقیدے کا انکار کردے، اسے یہ لوگ کافر قرار دیتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ لوگ اہل سنت اور اہل حدیث کو کافر گردانتے ہوئے ان سے نکاح حرام ہونے اور اِن کی نماز جنازہ میں شمولیت کے ناجائز وحرام ہونے کا چرچا کرتے ہیں۔

برزخی جسم کے قائلین برزخی جسم کے ثبوت میں صحیح بخاری [کتاب الجنائز، پارہ:٦] کی حدیث ۱۳۸۶ پیش کرتے ہیں جس میں ہے حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ نبی کریم نے اپنا خواب بیان فرمایا...... جب ہم کہتے ہیں کہ یہ تو خواب کا واقعہ ہے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی کا خواب سچ ہوتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں قرآن پر عمل نہ کرنے والے پر عذاب ہونے کا ذکر بھی ہے اور عہد رسالت میں تمام مسلمان عامل قرآن تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن سے پہلی آسمانی کتابوں کو بھی قرآن کہا گیا ہے جیسا کہ حضرت داؤد کے خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کی حدیث ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ قیامت کے بعد کے عذاب کا احوال بیان ہوا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے:

''يُفْعَلُ بِهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ''

''قیامت تک اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا رہے گا۔''

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ قیامت سے پہلے کے عذاب کا بیان ہے، قیامت کے بعد کا نہیں۔

ان سے جب کہا جاتا ہے کہ کسی ایک حدیث میں بھی یہ بیان نہیں ہوا کہ مرنے والے کو نیا برزخی جسم دیا جاتا ہے تو جواب میں کہتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث میں ہے:

(ا) فرشتہ ایک (جھوٹے) آدمی کا منہ چیرتے ہوئے گدی تک جسم چیر دیتا ہے۔ بعد میں وہ جسم پہلے کی طرح بھلا چنگا ہوجاتا ہے تو فرشتہ اُسے پھر اُسی تکلیف میں مبتلا کردیتا ہے۔

(ب) قرآن پر عمل نہ کرنے والے کے سر پر بھاری پتھر مارا جاتا، جس سے اس کا سر کچلا جاتا، بعد میں جسم پھر صحیح ہوجاتا، فرشتہ پھر اس کے سر پر پتھر مار کر سر کچل دیتا۔

(ھ) سود خور نہر سے نکلنے کی کوشش کرتا تو اس کے منہ پر پتھر مارا جاتا۔ فرشتہ پتھر پکڑنے جاتا ہے تو منہ پھر صحیح سلامت ہوجاتا ہے۔

ان تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ایک نیا جسم دیا جاتا ہے جو تباہ ہونے کے بعد پھر پہلے جیسا بھلا چنگا ہوجاتا ہے۔ پھر انہیں عذاب دیا جاتا ہے، بدن تباہ ہوجاتا ہے لیکن وہ بدن پھر صحیح ہوجاتا ہے اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ لیکن دنیاوی بدن میں یہ خاصیت نہیں کہ تباہ ہونے کے بعد صحیح سلامت اور پہلے کی طرح بھلا چنگا ہوجائے۔

(د) دنیا میں زانی اور زانیات مختلف علاقے، شہروں اور ملکوں میں دفن کی جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں ذکر ہے کہ ان سب کو ایک تنور میں جمع کرکے آگ بھڑکا دی جاتی ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ

عذاب قبر میں نہیں بلکہ کسی اور جگہ دیا جاتا ہے۔

ان گمراہ لوگوں کے خودساختہ عقاید ونظریات اور خودساختہ دین کا تار وپود بکھیڑنے کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابات دیجیے۔ جزاك الله خيراً

جواب: سوال میں مذکور/ مشار الیہ حدیث الرؤیا کتاب الجنائز بخاری میں مختصراً ذکر ہوئی ہے جب کہ تفصیلاً صحیح بخاری کی کتاب الرؤیا کے اخیر میں باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح کے تحت بیان ہوئی ہے۔ اس میں کوئی قاعدہ کلیہ کی وضاحت نہیں کہ ہر مرنے والے کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے یہ تو محض مجلس کی مناسبت سے آپ ﷺ نے اپنی خواب کی توجیہ فرمائی ہے تاکہ ہمارے لیے سامانِ عبرت ہو اور آخرت کی ہولناکیوں سے بچ سکیں۔ نصوص شرع سے یہ بات عیاں ہے کہ ماوراء العقل برزخی اور غیبی امور میں توقف کرنا اور بلا اجتہاد ان پر ایمان لانا ہی سلامتی کی راہ ہے۔ اپنی طرف سے لب کشائی کرنا ضلالت وگمراہی کا دروازہ کھولنا ہے جو خطرناک کھیل ہے۔ معتزلہ ودیگر گمراہ فرقوں کی گمراہی کا سبب یہی تھا کہ وہ اپنی عقل کو حَکَم بنا کر اس کی پیروی میں لگے رہے۔ اس بنا پر انھوں نے معجزات وکرامات اور عذابِ قبر وغیرہ ماوراء الحس اشیاء سے متعلق نصوص قاطعہ کا انکار کر دیا۔ حالاں کہ چاہیے یہ تھا کہ عقل کے ساتھ نبوت کی روشنی حاصل کرتے اس کے بغیر عقل کا صراطِ مستقیم پر قائم رہنا قطعاً ممکن نہیں ہے۔ کیوں کہ عقل بذاتہ ناقص ہے اشیاء کی حقیقت اور کنہ کے ادراک سے قاصر ہے۔

مثلاً گنا میٹھا کیوں ہے؟ اور اندرائن کڑوی کیوں ہے؟ جب کہ اُگنے کی زمین اور پانی ایک جیسا ہے تو یہ فرق کیوں ہے؟ اس کا جواب عقل کی بجائے وحی کے ذریعہ ملے گا کہ خالق ومالک نے قدرتِ تامہ کے اظہار کے لیے اور حکمت کاملہ کی بنا پر مختلف رنگ اور ذائقے پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں مختلف تاثیر پیدا فرمادی ہے۔ اسی طرح برزخی امور جو کتاب وسنت میں ثابت ہیں ان پر بھی یقین رکھنا جزوِ ایمان ہے۔ دنیا میں آدمی جس بدن، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کے ساتھ اعمال کا مرتکب ہوتا ہے، جزا وسزا کا تعلق بھی انھی سے ہے، مرنے کے بعد اور بروزِ قیامت یہی شہادتی بنیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اعمال خیر وشر دنیا کے بدن سے ہوں، جزا وسزا دوسرے بدن کو ملے۔ یہ تو سراسر بے انصافی ہے جس کا ذات باری تعالیٰ سے تصور کرنا بھی محال ہے، اور جو مناظر رسول اللہ ﷺ نے بحالت خواب دیکھے ان کا تعلق بھی اسی بدن سے ہے۔ 'برزخی جسم' کی اصطلاح خودساختہ ہے جس کا شرع میں کوئی اصل نہیں، صحابہ وتابعین، تبع تابعین اور بعد کے سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی۔ پھر یہ کہنا کہ ''دنیاوی بدن کا موت کے بعد روح سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور یہ دنیاوی بدن تباہ ہوجاتا ہے'' غلط دعویٰ ہے۔ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

《 إذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال على أعناقهم فإن كانت صالحة قالت: قدموني، وإن كانت غير صالحة قالت لأهلها. يا ويلها أين يذهبون بها؟ يسمع صوتها كل شيء إلا الإنسان ولو سمع الانسان لصعق 》

''جب میت کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں، اگر وہ نیک ہے تو کہتا ہے مجھے آگے لے چلو اور اگر وہ برا ہے تو پکارتا ہے اے شامت مجھے کدھر لے چلے ہو؟! اس آواز کو انسان کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے۔ اور اگر انسان اس کو سن لے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔''

اس حدیث پر امام بخاری رحمہ اللہ نے بایں الفاظ تبویب قائم کی ہے: باب قول الميت وهو الجنازة قدموني

حدیث ہذا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ موت کے بعد بھی بدن اور روح کا رابطہ قائم رہتا ہے اور بدن کا بوسیدہ ہونا صرف ہماری رؤیت کے اعتبار سے ہے ورنہ خالق ومالک کے لیے دونوں حالتیں برابر ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾

''بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے وہ تو پوشیدہ باتوں کو

جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔'' [الملك: ١٤]

ان لوگوں کا یہ زعم کہ دنیاوی بدن میں دوبارہ صحیح ہونے کی خاصیت نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس ہستی نے پہلے اس کو پیدا کیا وہ اسی کو دوبارہ لوٹانے پر بھی قادر ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ کے یہی معنی ہیں۔ اللہ رب العزت نے اس حقیقت کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

﴿ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ ○ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ﴾ [یس: ۷۸، ۷۹]

''اور اس نے ہمارے لیے مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا ان ہڈیوں کو کون زندہ کرسکتا ہے جب کہ یہ بوسیدہ ہوچکی ہوں۔ آپ جواب دیجیے! کہ انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔''

قرآنی وضاحت سے بھی ثابت ہوا کہ دوبارہ زندگی دنیاوی بدن سے ہی ہوگی ورنہ تو ''کرے کوئی اور بھرے کوئی'' کا مصداق ہوگا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴾ [ق: ۲۹]

''اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔''

یاد رہے شرع میں قبر کا مفہوم عالم برزخ کو شامل ہے۔ چاہے کسی کو دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے، درند پرند کھا جائیں یا اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے سب کو محیط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں جو ہولناک تنور دیکھا تھا وہ بھی دراصل قبر ہی کا حصہ ہے، علیحدہ کوئی شے نہیں۔ بقیہ مزید سوالات کے جوابات بالاختصار ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: صحیح بخاری [پارہ:٦، کتاب الجنائز کی حدیث: ۴۶۸] حدیث سمرہ بن جندب میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں نے آج رات (خواب میں) دیکھا کہ دو آدمی آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ''ارضِ مقدسہ'' کی طرف لے گئے۔''

''ارضِ مقدسہ'' سے اسلاف نے کیا مراد لیا ہے؟ قائلین برزخی اجسام اس سے ''برزخ کا پاک مقام'' مراد لیتے ہیں۔

جواب: ارضِ مقدسہ سے مراد بیت المقدس کی سرزمین ہے۔ قصہ وفات موسیٰ علیہ السلام میں اس کی تصریح موجود ہے۔ [متفق علیہ]

یہاں مقصود صرف اپنے سفر کی جہت بیان کرنا ہے جس میں یہ مناظر پیش آئے اگرچہ ان کا تعلق عالم برزخ سے ہے۔ یہ سب برحق ہیں کیوں کہ نبی ﷺ کا خواب وحی ہوتا ہے۔

سوال: وہ لوگ کہتے ہیں کہ گناہ گاروں کے جسم بار بار خراب ہونے کے بعد بار بار صحیح سلامت ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ انھیں کوئی نیا بدن دیا جاتا ہے۔ ورنہ دنیاوی بدن تو تباہ ہونے کے بعد صحیح نہیں ہوسکتا۔

جواب: گناہگاروں کے دنیاوی بدن دوبارہ سہ بارہ اسی شکل میں لائے جاتے ہیں جس طرح بار بار ایک ہی پانی کی برف جمائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح جسم بھی دنیاوی حالت میں ڈھل جاتا ہے کیوں کہ جزا وسزا کا تعلق اسی بدن سے ہے۔

سوال: اگر ہم اسے قیامت کے بعد کا واقعہ قرار دیں تو اس حدیث میں ہے کہ قیامت تک ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا رہے گا۔ یعنی یہ عذاب قیامت سے پہلے شروع ہوچکا ہے اور قیامت تک یہی عذاب دیا جاتا رہے گا۔ اس بات کا کیا جواب ہے؟

جواب: یہ واقعہ عالم برزخ کا ہے لیکن مناظر وہی ہیں جو روزِ جزا پیش آنے والے ہیں۔

سوال: زنا کاروں کو ایک ہی جگہ تنور میں عذاب دیے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر کے سوا کوئی اور جگہ تھی ورنہ زنا کار تو مختلف جگہوں پر دفن کیے جارہے ہیں مگر انھیں اکٹھا کر کے ایک ہی جگہ تنور میں عذاب دینے کا ذکر ملتا ہے۔

جواب: سارے عالم برزخ پر قبر کا اطلاق ہے ظاہری پیائش مراد نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔

سوال: اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ نبی کریم نے اوپر بادل سا

دیکھا۔فرشتے کہنے لگے کہ یہ تمہارا یعنی نبی کریم کا مقام ہے۔ابھی تمہاری دنیا میں رہنے کی کچھ عمر باقی ہے۔ اگر وہ پوری کر چکے ہوتے تو تم اس مقام میں آ جاتے۔

اس حدیث سے وہ لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی دنیاوی قبر میں نہیں بلکہ مقام الوسیلہ میں ہیں، جس کا ذکر مذکورہ حدیث میں ملتا ہے۔

جواب: نبی ﷺ کا اس مقام بالا پر ہونا برزخی زندگی کے اعتبار سے ہے ورنہ جسد عنصری صحیح سلامت اصلی حالت میں قبر مبارک میں مدفون ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

«أول من ينشق عنه القبر» [مسلم]

''قیامت کے روز سب سے پہلے میں قبر سے باہر آؤں گا۔''

اور مکمل داخلہ قیامت کے روز ہوگا۔

سوال: وہ کہتے ہیں کہ صحیح حدیث میں ہے:«عجب الذنب» کے سوا انسان کا تمام بدن تباہ ہو جاتا ہے اور اسی سے جسم انسانی کو دوبارہ بنایا جائے گا۔(باب: جس دن صور پھونکا جائے گا،تم لوگ فوج درفوج آؤ گے) وہ لوگ اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ تمام بدن تو تباہ ہو جاتا ہے پھر دنیاوی بدن کو عذاب کیسے دیا جاتا ہے۔

جواب: اس سوال کا تفصیلی جواب پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: وہ کہتے ہیں کہ «عجب الذنب»والی حدیث سے انبیاء کے جسم سلامت رہنے والی موضوع روایت ٹکراتی ہے۔لہٰذا ثانی الذکر روایت قابل ردّ ہے۔

عجب الذنب والی حدیث میں کسی انسان کے بدن کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا بلکہ فطرت کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ ہر انسان خواہ نیک ہو یا بد، عام آدمی ہو یا نبی، ہر آدمی کے بدن کو مٹی کھا لیتی ہے۔صرف عجب الذنب ہی بچتی ہے۔

جواب: انبیاء علیہم السلام کے اجساد سلامت رہنے والی حدیث کے متعلق علامہ البانی فرماتے ہیں:

قلت: وهذا إسناد صحيح على شرط مسلم۔

[صحيح سنن ابی داؤد: ٤/ ٢١٤، رقم الحديث: ٩٦٢]

''یہ سند صحیح ہے مسلم کی شرط پر ہے۔''

اس سے معلوم ہوا حدیث عجب الذنب کے عموم سے یہ روایت مخصوص ہے۔اصحابِ شرع کے ہاں یہ قاعدہ مسلمہ ہے اس کا کوئی بھی انکاری نہیں۔

والله يهدی من يشاء الی صراط مستقيم .

سوال: قرآن میں ہے:''شہید کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہے'' اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قرآن میں شہید کو اعزازی طور پر زندہ کہا گیا ہے۔شہید کے زندہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آیت میں جہاں شہید کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا ہے وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شہید زندہ ہوتا ہے۔شہید کی زندگی کا کیا مطلب ہے؟

وہ لوگ کہتے ہیں کہ شہید کو جنت میں اڑنے والا نیا بدن دیا جاتا ہے،اس آیت کا یہی مطلب ہے۔اگر اس سے مراد صرف برزخی حیات ہے تو وہ تو ہر نیک و بد کو حاصل ہے۔شہید کے زندہ ہونے کا بطور خاص ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

محترم! یہ لوگ مذکورہ بالا حدیث سے مرنے والے ہر انسان کا برزخی جسم ثابت کرتے ہیں اور برزخی جسم کا عقیدہ نہ رکھنے والے کو کافر قرار دیتے ہیں۔یہ لوگ جس شخص کو بھی توحید کا متوالا دیکھتے ہیں،اسے اپنی جماعت میں شامل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں اور دنیاوی بدن کے تباہ ہو جانے اور نیا بدن عطا کیے جانے کے فلسفے کی بنیاد پر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔

[والسلام: حافظ عبدالصمد، مین بازار سراج پارک،شاہدرہ]

جواب: شہداء کو مردہ نہ کہنا ان کے اعزاز واکرام کی خاطر ہے۔ تاہم یہ برزخی زندگی ہے جس کی حقیقت کو پانے سے ہم قاصر ہیں۔ قرآنی الفاظ ﴿ ولكن لا تشعرون ﴾ کا یہی مفہوم ہے۔جس بدن نے دنیا میں شہادت کی صعوبت برداشت کی، یہ اعزاز وتکریم بھی اسی کا حق ہے۔حدیث میں جنت کے اندر شہید کی روح اُڑنے کا ذکر ہے

نئے بدن کا نہیں عالم برزخ میں اس کا اصلی بدن سے تعلق قائم رہتا ہے۔ کیفیت اللہ بہتر جانتا ہے۔

جنت میں شہید کو چوں کہ زندگی کی امتیازی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لیے اس کی برزخی حیات کو بالخصوص ذکر کیا گیا ہے اگر چہ سب کو برزخی حیات حاصل ہے۔

شہید کی اعزازی زندگی کے بارے میں قرآن میں ہے:

﴿ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ o فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

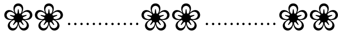
[آلِ عمران: ۱۶۹، ۱۷۰]

”بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی بابت جو ابھی تک ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے ہیں اس پر کہ انھیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

تفصیل اس کی صحیح احادیث میں موجود ہے۔ یاد رہے کتاب وسنت کی باطل وفاسد تاویلیں، سلف صالحین پر کفریہ فتوے بازی کرنا اور اہل حق سے نفرت وبغض کا اظہار کرنا تکفیری گروہ کا محبوب مشغلہ ہے۔ خود ساختہ نظریات کی تشہیر کرکے باطل پرستوں کی معاونت کرنا ان کا خصوصی شیوہ ہے۔ حق وباطل کی کشمکش میں ہر لحہ شر وفساد کا علم اٹھائے سرگرداں پھرتے ہیں، ان جیسے ملحدوں کی علماء نے پہلے ہر دور میں خبر لی ہے مستقبل میں بھی احباب ان کی سرکوبی کے لیے اہل حق کو کمر بستہ پائیں گے۔ اس فتنہ کا قلع قمع کرنا ہمارا بنیادی فرض ہے۔ موقعہ بہ موقعہ رب العزت کی توفیق سے ہم اس فتنہ کی خبر لیتے رہیں گے، ان شاء اللہ۔

دراصل ان ظالموں نے اللہ مالک کی قدرت کو عاجز انسان جیسی قوت سمجھ رکھا ہے کہ مرنے کے بعد یہ جسم تو تباہ وبرباد ہوجاتا ہے۔ ٹھنڈک کے بعد اس کے لیے دوبارہ زندگی ناممکن اور محال ہے۔ ان کو اس بات کا علم نہیں جو اللہ دوزخ کی جھلستی ہوئی آگ میں درخت اگا سکتا ہے وہ اصلی جسم کو بھی دوبارہ زندگی بخشنے پر قادر ہے۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ o الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴾ [الملك: ۱،۲]



سید انور حسین شاہ صاحب المعروف سید نفیس شاہ الحسینی کی وفات

استاذ الخطاطین، معروف عالم دین مولانا سید انور حسین شاہ المعروف سید نفیس الحسینی صاحب مؤرخہ ۵۔ فروری ۲۰۰۸ء (۲۶۔ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ) بروز منگل علی الصبح وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شاہ صاحب مرحوم ملک کے مایہ ناز خطاط تھے۔ بعض معروف رسائل وجرائد اور ادبی ودینی اخبارات کے ٹائٹل انھوں نے تحریر فرمائے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے نائب امیر اور مسلک دیوبند کے معروف جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور، کے مہتمم بھی تھے۔ موصوف گزشتہ طویل عرصے سے بیماری کے تھپیڑے سہتے سہتے اپنے وقت موعود پر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ دعا ہے اللہ کریم مرحوم کی لغزشیں معاف فرمائے، کروٹ کروٹ مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آمین۔ [ادارہ]

اچھے گھرانوں کی تلاش

والدین کے غور کے لیے

فوائد الصبر

قاری ذکاء اللہ، حافظ آبادی

ان الحمد لله والصلوۃ والسلام علی رسول الله، اما بعد! اعوذ بالله من الشیطین الرجیم . بسم الله الرحمن الرحیم .

﴿ یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ [البقرۃ: ۱۵۳]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

صبر خود کو کسی بات سے روکنا، باز رکھنا۔ ایک دوسرا معنی دل کو تھامنا طبیعت کو قابو میں رکھنا، ثابت قدم رہنا۔ قرآنِ پاک میں ہے:

واصبر نفسك مع الذین یدعون ربهم بالغداۃ والعشی . [القاموس الوحید، ص:۹۰۸]

صبر کی تعریف بزبانِ حدیث:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا گزر ایک عورت پر سے ہوا جو ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" اتقی الله واصبری قالت الیك عنی فانك لم تصب بمصیبتی ولم تعرفه فقیل لها انه النبی ﷺ فاتت باب النبی ﷺ فلم تجد عنه بوابین فقالت لم اعرفك فقال انما الصبر عند الصدمة الاولی ۔"

''اللہ سے ڈر اور صبر کر، وہ کہنے لگی جاؤ اپنا کام کرو تمھیں مجھ جیسی مصیبت تو پیش نہیں آئی۔ وہ عورت آپ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی اسے لوگوں نے بتلایا کہ وہ تو نبی ﷺ تھے۔ چناں چہ وہ نبی ﷺ کے دروازے پر حاضر ہوئی، وہاں اس نے کوئی دربان موجود نہ پایا (وہ اندر جا کر) کہنے لگی میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں تھا (میں صبر کرتی ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبر تو اس وقت کرنا چاہیے جب صدمہ شروع ہو۔'' [بخاری، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، رقم الحدیث: ۱۲۸۳]

درج بالا روایت سے معلوم ہوا کہ صبر یہ ہے کہ آدمی ابتدائے مصیبت میں صبر وتحمل کا مظاہرہ کر کے اپنی زبان سے کوئی بات یا کوئی ایسا عمل نہ کرے جو شریعت کے خلاف ہو۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صبر یہ ہے کہ آدمی اللہ رب العزت کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے ان پر ثواب طلب کرے، ہر گھبراہٹ، پریشانی اور کٹھن موقع پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔ [ابن کثیر تحت آیة: ۱۵۴، البقرۃ]

صبر کی اقسام:

صبر کی تین قسمیں ہیں:

① ......محرمات اور معاصی سے اجتناب پر صبر کرنا

② ......اعمال صالحہ اور اللہ کی اطاعت پر صبر کرنا

③ ......مصائب وحادثات زمانہ پر صبر کرنا

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب (السیاسة الشرعیة) میں لکھتے ہیں کہ حاکم بالخصوص اور رعایا کے لیے بالعموم تین چیزیں عظیم مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

① ......اللہ کے لیے اخلاص اور دعا اور غیر دعا کے ذریعہ اس پر توکل اور دل وجان سے نماز کی حفاظت وپابندی جو اللہ کے لیے اخلاص کی اصل ہے۔

②......مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا
③......تکلیف، مصیبت اور حادثات زمانہ کے وقت صبر کرنا

[تیسیر الرحمن لبیان القرآن، لدکتور محمد لقمان السلفی، ج:۱، ص:۸٦]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

''اور ہم تمھیں خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی میں سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کوخوش خبری دے دو۔'' [البقرة: ١٥٥]

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴾ [محمد:٣١]

''اور ہم ضرور ہی تمھیں آزمائیں گے یہاں تک کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لیں اور تمہارے حالات جان لیں۔''

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [المائدة: ٩٤]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تمہیں شکار میں سے کسی چیز کے ساتھ ضرور آزمائے گا جس پر تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچتے ہوں گے تا کہ اللہ جان لے کہ بن دیکھے اس سے کون ڈرتا ہے پھر جو اس کے بعد حد سے بڑھے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

﴿ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾ [نحل: ١١٢]

''اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی جو امن والی اطمینان والی تھی اس کے پاس کا رزق کھلا ہر جگہ سے آتا تھا۔ تو اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ اس کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

[آل عمران: ١٤٢]

''یا تم نے گمان کرلیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالاں کہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانا ہی نہیں جنھوں نے جہاد کی اور تا کہ وہ صبر کرنے والوں کو جان لے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ [آلِ عمران: ١٨٦]

''یقیناً تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں تمہاری آزمائش ضرور کی جائے گی اور یقیناً تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی تکلیف دہ باتیں ضرور سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور متقی بنو تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ [اعراف: ١٦٨]

''اور ہم نے انہیں زمین میں مختلف گروہوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ان میں سے کچھ نیک تھے اور کچھ ان کے علاوہ تھے اور ہم نے اچھے حالات اور برے حالات کے ساتھ ان کی آزمائش کی شاید وہ باز آ جائیں۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾
''اور ہم تمھیں برائی اور بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں آزمانے کے لیے اورتم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' [الانبياء: ٣٥]

ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ اس حیات دنیوی میں ہر انسان کی آزمائش ہوتی ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ بعض مبتلی بالخیر اور بعض مبتلی بالشر ہوتے ہیں۔ بہرحال آزمائش ہر کسی کی ہوتی ہے اسی لیے تو اللہ رب العزت نے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر صبر کی تلقین فرمائی ہے تاکہ انسان صبر وثبات کا پیکر بن کر کامیابی وکامرانی سے سرفراز ہوسکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ [لقمان: ١٧]
''اے میرے چھوٹے بیٹے نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور اس (مصیبت) پر صبر کر جو تجھے پہنچے، یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِبْكَارِ ﴾ [المؤمن: ٥٥]
''پس صبر کر یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کے لیے بخشش مانگ اور دن کے پچھلے اور پہلے پہر اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کر۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [الاعراف: ١٢٨]
''موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو بے شک زمین تو اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴾ [طه: ١٣٠]
''سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور سورج طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور رات کے کچھ اوقات میں بھی تسبیح کر اور دن کے کناروں میں، تاکہ تو خوش ہوجائے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴾ [المدثر: ٧]
''پس صبر کر۔'' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴾ [الدهر: ٢٤]
''پس اپنے رب کے فیصلے تک صبر کر اور ان میں سے کسی گناہ گار یا بہت ناشکرے کا کہنا مت مان۔''

صبر اہل ایمان کی صفت:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ [الحج: ٣٥]
''وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور ان پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنے والے اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴾

''جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لے آئے سو ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ جو صبر کرنے والے اور سچ کہنے والے اور حکم ماننے والے اور خرچ کرنے والے اور رات کی آخری گھڑیوں میں بخشش مانگنے والے ہیں۔'' [آلِ عمران: ۱۶، ۱۷]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾

''تنگ دستی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور یہی بچنے والے ہیں۔'' [البقرۃ: ۱۷۷]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ o وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ [الانبیاء: ۸۵، ۸۶]

''اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو ہر ایک صبر کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا یقیناً وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [صافات: ۱۰۲]

''اس نے کہا اے میرے باپ! تجھے جو حکم دیا جا رہا ہے کر گزر اگر اللہ نے چاہا تو ضرور مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴾

''بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا اچھا بندہ تھا یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔'' [ص: ۴۴]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْعَصْرِ o اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ o اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ [العصر: ۱-۳]

''زمانے کی قسم! یقیناً ہر انسان ضرور ہی گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔''

فوائد:

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ صبر اہل ایمان کی صفت ہے۔ اس کے علاوہ جو فوائد ان آیات سے مستفاد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

① ...... تلاوت کلام اللہ کے وقت ان کے دل خوف الٰہی کی وجہ سے ڈر جاتے ہیں، ② ...... نماز قائم کرنے والے، ③ ...... اللہ رب العزت کے دیے ہوئے مال میں سے اس کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، ④ ...... اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری کرنے والے، ⑤ ...... صلوٰۃ تہجد کا اہتمام اور پروردگار دو عالم سے استغفار طلب کرنے والے، ⑥ ...... اعمال صالحہ کا اہتمام اور ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت کرنے والے، ⑦ ...... صبر صرف صالح سیرت مومنین کی صفت ہی نہیں بلکہ درس انبیاء بھی ہے۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے مصائب ومشکلات کے وقت صبر کر کے مومنین کو اس بات کا درس دیا کہ وہ بھی اپنی زندگی کے کٹھن مراحل میں انبیاء کے اسی اسوۂ پر عمل پیرا ہوں۔

مصیبت کی تعریف:

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ اپنی تفسیر القرطبی میں رقم طراز ہیں:

النكبة ينكبها الانسان وان صغرت ۔ [انظر تفسير قرطبی ج:۱، ص:۱۷۱ دار الكتب العلمية۔ الجامع الاحكام القرآن ،ج:۱۔ البقرۃ: ۱۵۷، ص:۱۸۸]

''مصیبت وہ ہے کہ جو انسان کے لیے تکلیف دہ ہو اگرچہ وہ

چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔''

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ

ان مصباح رسول الله صلی الله علیه وسلم انطفأ ذات لیلة فقال انا لله وانا الیه راجعون ۔ فقیل امصیبة هی یا رسول الله ﷺ؟ قال نعم کل ما آذی المؤمن فهو مصیبة ۔ [الجامع الاحکام القرآن، ج:۱، ص:۱۱۸۔ آیت: ۱۵۷ البقرة]

''ایک رات نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چراغ بجھ گیا تو آپ ﷺ نے پڑھا انا للہ وانا الیہ راجعون۔''بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' [البقرۃ:۱۵۶] عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہر وہ چیز جو مومن کو ایذا دے وہ اس کے لیے مصیبت ہے۔''

کلمہ استرجاع پڑھنے کی فضیلت:

کلمہ استرجاع کو اگر حضوری قلب کے ساتھ پڑھا جائے تو اس میں اظہارِ عبودیت بھی ہے اور دوبارہ زندہ ہو کر جزائے اعمال کا اعتراف بھی۔ [انظر تفسیر القرطبی، ج:۱، ص:۱۷۱۔ البقرة: ۱۵۷]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ما من مسلم تصیبه مصیبة فیقول ما امره الله انا لله وانا الیه راجعون اللهم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منها الا اخلف الله له خیرا منها۔ قالت فلما مات ابو سلمه قلت ایّ المسلمین خیر من ابی سلمة اول بیت هاجر الی رسول الله ﷺ ثم انی قلتها فاخلف الله لی رسول الله ﷺ قالت ارسل الی رسول الله ﷺ حاطب بن ابی بلتعه یخطبنی له فقلت ان لی بنتاً وانا غیورٌ فقال امّا ابنتها فندعوا الله ان یغنیها عنها وادعوا الله ان یذهب بالغیرة ۔ [مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند المصیبة، رقم الحدیث: ۲۱۲۶]

''کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ اس کو مصیبت پہنچے اور وہ یہ کہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم کیا ہے (ہم سب اللہ کا مال ہیں اور ہم سب اسی کی طرف جانے والے ہیں) یا اللہ مجھے اس مصیبت کا ثواب دے اور اس کے بدلہ میں اس سے اچھی عنایت فرما مگر اللہ ربّ العزت اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہ کہتی ہیں جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ (یعنی ان کے شوہر) انتقال کر گئے تو میں نے کہا اب ان سے بہتر کون ہوگا اس لیے کہ ان کا پہلا گھر تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر میں نے یہی دعا پڑھی (انا لله وانا الیه راجعون اللهم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منها) تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ کے بدلے رسول اللہ ﷺ کو شوہر بنا دیا۔ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کو بھیجا وہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا پیغام دینے آئے۔ میں نے عرض کیا کہ میری ایک بیٹی ہے اور مجھ میں غصہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی بیٹی کے لیے تو ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ اللہ ان کی بیٹی کے فکر سے بے غم کر دے گا اور ان کے غصہ کے لیے ہم دعا کریں گے وہ اللہ کھو دے گا۔''

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ

لم یعط هذه الکلمات نبی قبل نبینا ولو عرفها یعقوب لما قال (یا سفی علی یوسف) ۔

یہ کلمات (انا للہ وانا الیہ راجعون) ہمارے نبی (محمد ﷺ) سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔ اگر یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں جانتے ہوتے تو یوں نہ کہتے یاسفی علی یوسف ''ہائے میرا غم یوسف پر۔'' [یوسف: ۸۴۔ انظر تفسیر القرطبی، ج:۱، ص:۱۷۱۔ البقرة: ۱۵۷]

ابتلاء کی حکمتیں:

الامام علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المتوفی سنۃ ۷۲۵ھ فرماتے ہیں کہ آپ کہیں کہ ابتلاء کی تعریف کو مقدم کرنے میں کیا حکمت ہے؟ جیسے اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ﴾ [البقرة: ١٥٧]

''اور ہم تمھیں ضرور ضرور آزمائیں گے۔''

تو میں کہوں گا کہ اس میں کئی حکمتیں ہیں۔

①...... جب آدمی کو علم ہو کہ کسی چیز کے ساتھ اسے آزمایا جائے گا تو وہ آزمائش پر صبر کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کرے گا۔ جب آزمائش نازل ہوگی تو وہ بے صبری کا اظہار نہیں کرے گا۔

②......منافقین اپنے آپ کو بوجہ لالچ مومن ظاہر کرتے تا کہ انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ مل سکے۔ جب اللہ ربّ العزت نے بتلا دیا کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش کرنے والا ہے تو اس اعتبار سے منافق اور مومن میں امتیاز ہو جاتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔

③...... انسان خوش حالی کی بہ نسبت حالت ابتلاء میں زیادہ حضوری قلب سے اللہ ربّ العزت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب اسے علم ہو کہ کسی بلاء سے اسے آزمایا جائے گا تو یقیناً ایسا آدمی ہمہ وقت مالک کائنات کے سامنے عاجزی وانکساری کا اظہار کرے گا۔ تا کہ اللہ ربّ العزت اس پر نازل ہونے والی مصیبت سے اسے بچالے۔ [انظر تفسير خازن، ج:١، ص:٩٤- البقرة: ١٥٦]

معیت الٰہی کا ذریعہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [البقرة: ٢٤٩]

''اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [البقرة: ١٥٣]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ بے شک اللہ پاک ہے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

''اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا چلی جائے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' [الانفال: ٤٦]

﴿ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [الانفال: ٦٦]

''اگر تم میں سے ہزار ہوں تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

معیت الٰہی کا مفہوم:

اللہ ربّ العزت نے ان آیات بینات میں اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور یہاں معیت سے مراد (معیت خاصہ ہے) جو اللہ کی محبت اور اس کی نصرت وقربت پر دلالت کرتی ہے یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ان سے محبت کرتا ہے اور ان کی مدد کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ [آلِ عمران: ١٢٥]

''کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور ڈرتے رہو اور وہ اپنے اسی جوش میں تم پر آپڑیں تو تمہارا ربّ پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا جو خاص نشان والے ہوں گے۔''

صبر کرنے والوں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ اور (معیت) کی ایک دوسری قسم معیت عامہ ہے۔ یعنی اللہ اپنے علم وقدرت کے ذریعہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ﴾ [الحديد:٤]

''تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔''

اور یہ معیت تمام مخلوق کے لیے ہے۔

حصولِ بخشش کا ذریعہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـئُوۡسٌ كَفُوۡرٌ ۝ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ كَبِيۡرٌ ﴾ [هود: ۹-۱۱]

''اور بلاشبہ اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کوئی رحمت چکھائیں پھر اسے اس سے چھین لیں تو یقیناً وہ تو نہایت ناامید بے حد ناشکرا ہوتا ہے۔ اور اگر ہم اسے کوئی نعمت چکھائیں کسی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہو تو یقیناً کہے گا سب تکلیفیں مجھ سے دور ہوگئیں بلاشبہ وہ بہت پھولنے والا بہت فخر کرنے والا ہے۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے انہی کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰهَدُوۡا وَ صَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ [النحل: ۱۱۰]

''پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنھوں نے وطن چھوڑا اس کے بعد کہ فتنے میں ڈالے گئے پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا یقیناً تیرا رب اس کے بعد ضرور بے حد بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

سورۃ احزاب میں اللہ ربّ العزت نے اہل ایمان کی دس صفات بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک صفت یہ بھی ہے **والصبرین والصبرات** ''صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں'' ان کی جزا کا تذکرہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴾ [الاحزاب: ۳۵]

''اللہ ربّ العزت نے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما يصيب المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا اذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها الا كفر الله بها من خطاياه ـ [بخاری، كتاب المرضى، باب ما جاء فى كفارة المرض]

''مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ، بیماری، ہم وحزن، تکلیف یا غم پہنچتا ہے حتی کہ اسے جو کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی خطائیں معاف فرما دیتا ہے۔''

فوائد:

① ...... مومن کو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں ان سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

② ...... مسلمان کو خواہ معمولی بھی تکلیف پہنچے جیسے کانٹا چبھا تو یہ بھی اس کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما يزال البلاء بالمومن والمؤمنة فى نفسه وولده وماله حتى يلقى الله تعالى وما عليه خطيئته ـ [ترمذی]

''مومن مرد اور مومن عورت کو اس کی جان، اولاد اور مال کے بارے میں تکلیف اور آزمائش آتی رہتی ہے حتی کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''

فوائد:

① ...... مومن کی مختلف انداز سے آزمائش ہوتی رہتی ہے۔

② ...... جس مومن کی آزمائش ہو وہ اس پر صبر کرے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے جیسے کہ فرمایا: ہم خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی کے ذریعے تمہاری آزمائش کریں گے۔ صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں۔ [البقرة: ۱۵۵]

③......آزمائش سے گناہ معاف ہوتے ہیں بشرطیکہ بندہ اس پر صبر کرے اور شکوہ وغیرہ نہ کرے۔

④......آزمائش بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر رحمت ہے وہ اس دنیا کی تکلیف پر بندے کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس طرح آخرت کی زندگی آسان ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

دخلت علی النبی ﷺ وھو یوعك فقلت یا رسول اللہ ﷺ انك توعك وعكاً شدیداً قال اجل انی اوعك كما یوعك رجلان منكم قلت ذلك ان لك اجرین قال اجل ذلك كذلك ما من مسلم یصبه اذیً شوكة فما فوقها الا كفر الله بها سیئاته وحطّت عنه ذنوبه كما تحط الشجرة ورقها۔ [بخاری، كتاب المرضی، باب اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فا الامثل، رقم الحدیث: ٥٦٤٨]

’’میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کو بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کو تو بہت شدید بخار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے میں نے کہا کیا یہ اس لیے کہ آپ کے لیے دوگنا اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں یہ ایسے ہی ہے۔ اسی طرح جو بھی مسلمان کہ اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے کانٹا چبھتا ہے یا اس سے کوئی بڑی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی برائیاں مٹا دیتا ہے اور اس کے گناہ اس سے اس طرح گرتے ہیں جس طرح درخت (موسم خزاں میں) اپنے پتے گرا دیتا ہے۔‘‘

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ میں خطبہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے اور بیان کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا تمام اعمال سے افضل ہے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور بولا اے اللہ کے رسول ﷺ! ان قتلت فی سبیل الله تكفر عنی خطایای ’’اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

نعم ان قتلت فی سبیل الله وانت صابر محتسب مقبل غیر مدبر ثم قال رسول الله ﷺ كیف قلت قال ارایت ان قتلت فی سبیل الله اتكفر عنی خطایای فقال رسول الله نعم وانت صابر محتسب مقبل غیر مدبر الا الدین فان جبرائیل قال لی ذلك ۔ [مسلم، كتاب الامارة، باب من قتل فی سبیل الله كفرت خطایاه الا الدین، رقم الحدیث: ٤٨٨٠۔ ترمذی: ١٧١٢۔ نسائی: ٣١٥٦]

’’ہاں اگر تو مارا جائے اللہ کی راہ میں صبر کے ساتھ اور تیری نیت اللہ کے لیے خالص ہو۔ تو سامنے رہے پیٹھ نہ موڑے پھر آپ ﷺ نے فرمایا تو نے کیا کہا وہ بولا اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو میرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر تو مارا جائے صبر کر کے خالص نیت سے اور منہ تیرا سامنے ہو پیٹھ نہ موڑے مگر قرض معاف نہیں ہوگا۔ کیوں کہ جبرائیل نے مجھے اس بات کو بیان کیا ہے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من اصیب بمصیبة بماله او فی نفسه فكتمها ولم یشكها الی الناس كان حقا علی الله ان یغفر له۔ [مجمع الزوائد، كتاب الزهد، باب فیمن صبر علی الضیق الشدید ولم یشك الی الناس، رقم الحدیث: ١٧٨٧٢، ج:١٠]

’’جس آدمی کو کوئی مصیبت پہنچی اسی کے مال میں یا بذاتِ خود اسے صیغہ راز میں رکھا لوگوں کے سامنے (دکھ درد) بیان نہ کیا یہ اللہ ربّ العزت پر حق ہے کہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دے۔‘‘

[جاری ہے]



غیر اسلامی رسوم ورواج اور ان کی تباہ کاریاں

نعیمہ صدیقہ بنت عبدالحمید ابوالبرکات احمد رحمہ اللہ

رمضان المبارک اور مسلمان:

رمضان المبارک ایک بابرکت اور رحمتوں، بخششوں کا مہینہ ہے، لیکن اس میں بھی بدعتوں اور رسموں کی بھرمار ہے۔ اللہ محفوظ فرمائے، آمین۔

① ...... کیلنڈروں اور ڈائریوں پر یہ دعا کثرت سے دیکھنے میں آتی ہے اور ایک کثیر تعداد لوگوں کی روزہ کے لیے یہ دعا پڑھتی ہے کہ

" وبصوم غد نویت من شهر رمضان ۔"

''میں نے رمضان کے مہینہ کے کل کے روزے کی نیت کی۔''

لفظ ''غد'' کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴾ [القمر:۲۶]

''عنقریب ''کل'' (قیامت کے دن) یہ لوگ جان لیں گے کہ کون جھوٹا، خود پسند ہے۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾

[یوسف:۱۲]

''(یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے کہا) آپ اسے ''کل'' ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، تاکہ وہ خوب کھائے، اور کھیلے، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ لفظ ''غد'' کے دو معنی ہیں:

① ...... قیامت کا دن، ② ...... آنے والا کل

① ...... اگر ''قیامت کا دن'' مراد لیں تو "وبصوم غد نویت" کا معنی یہ ہوگا کہ ''میں نے قیامت والے دن کے روزہ کی نیت کی۔'' اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قیامت والے دن روزہ رکھنا کوئی انعام نہیں بلکہ وہ تو ایک سزا ہے۔ اس وقت تو لوگوں کی پیاس سے بری حالت ہو رہی ہوگی اور وہ حوضِ کوثر سے ایک جام پینے کے لیے بے تاب ہوں گے۔ لہٰذا وہ شخص بدنصیب ہی ہوگا جو قیامت کے دن روزہ رکھے گا۔

② ...... اگر لفظ ''غد'' کا معنی آنے والا کل مراد لیں تو "وبصوم غد نویت" کا معنی ہوگا ''میں نے کل کے دن کے روزہ کی نیت کی۔'' روزہ تو سحری کے وقت اور آج کے دن کا رکھ رہا ہے اور نیت کل کے روزہ کی کر رہا ہے، اس کا معنی تو یہ ہوا کہ وہ آج کا روزہ نہیں رکھ رہا بلکہ ویسے ہی کھانے پینے بیٹھا ہے۔

اس میں ایک اور بھی مزاحیہ پہلو نکلتا ہے۔ وہ یہ کہ مہینہ بھر کل کی نیت ہی رہتی ہے حتی کہ جب تیسواں روزہ آتا ہے تب بھی کہتا ہے کہ میں نے کل کے روزہ کی نیت کی۔ حالاں کہ اگلا دن عید الفطر کا دن ہے، اور عید الفطر کے روزے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

ان سب باتوں سے معلوم ہوا کہ روزے کی نیت کے لیے مذکورہ الفاظ وکلمات ادا کرنے من گھڑت اور رسم بد ہیں۔ ہمیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ صرف دل کی نیت کافی ہے۔ [بحوالہ اسلامی مہینے اور مروّجہ بدعات]

② ...... لوگوں کی کثیر تعداد افطاری کے وقت اذان کہنے کی بجائے کہتے ہیں: ''روزہ دارو! روزہ افطار کرلو۔'' یا سائرن بجاتے ہیں اور بعض لوگ تو سحری کے لیے ڈھول بجاتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کی نقل ہے کہ ہندو اور عیسائی لوگ مندروں اور گرجوں میں ناقوس وسنکھ وغیرہ

بجا کر عبادت کا وقت بتاتے ہیں۔

احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جب اپنے پیارے ساتھیوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لائے تو ابھی اذان کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ نمازیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور اس مسئلہ کا واضح حل نہیں تھا کہ نمازیوں کو نمازوں کے لیے کیسے اکٹھا کیا جائے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسلمان جب مدینہ میں آئے تو نماز کے لیے (ویسے ہی) جمع ہو جاتے اور ایک وقت ٹھہرا لیتے، نماز کے لیے اذان نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن انھوں نے اس بارے میں گفتگو کی تو بعض کہنے لگے نصاریٰ کی طرح ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا کہ یہودیوں کی طرح ایک بگل بنالو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ایسا کیوں نہیں کرتے ایک آدمی کو مقرر کر دو، وہ نماز کے لیے پکار دے دیا کرے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اسی (رائے) کو پسند کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اٹھ! اور نماز کے لیے اذان دے۔''

[صحیح بخاری، کتاب الاذان]

③...... لوگوں کی اکثریت نے لیلۃ القدر کو ستائیسویں رات سے خاص کر رکھا ہے، پھر اس رات جلسے کروائے جاتے ہیں، خصوصی عبادات کی جاتی ہیں، قمقموں سے مساجد کو سجایا جاتا ہے، چراغاں کیا جاتا ہے، یہ سب رسم ہے اور من گھڑت کام ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" اَنَا اُرِیْتُ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِیْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِی الْوِتْرِ ۔ " [صحیح بخاری، کتاب الصوم]

''شب قدر مجھ کو دکھائی گئی لیکن میں بھول گیا یا بھلا دیا گیا پس تم اسے آخری عشرہ کی طاق (29,27,25,23,21) راتوں میں تلاش کرو۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ انہی صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے خواب میں شب قدر کو دیکھا مگر بھلا دیا گیا تو اسے آخری عشرہ کی ہر طاق رات میں تلاش کرو۔ اور میں نے خود کو (خواب میں) دیکھا کہ کیچڑ اور پانی میں سجدہ کرتا ہوں۔

پھر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اکیسویں رات کو ہم پر بارش برسی اور رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ پر مسجد کی چھت ٹپکی اور میں نے دیکھا جب آپ ﷺ نے صبح کی نماز سے سلام پھیرا تو آپ کے چہرہ پر کیچڑ اور مٹی کے نشانات ہیں۔''

[صحیح مسلم، کتاب الصیام]

ان ہر دو احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

①...... لیلۃ القدر کسی مخصوص رات میں نہیں آتی۔

②...... مساجد میں چراغاں کرنے کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے۔

پیارے پیغمبر ﷺ کی مسجد ٹپکتی نظر آتی ہے اور ہماری ٹائلیں لگی ہوئی مساجد پر بھی چراغاں کیا جاتا ہے۔ ایک تو مساجد کی تزئین و آراستگی (نبی ﷺ نے مساجد کے نقش و نگار و بے جا آراستگی کو علامت قیامت فرمایا) اور دوسرا چراغاں کی رسم بد......؟

④...... بعض لوگ اپنے آپ کو طاقت ور کہلانے کے لیے سحری نہیں کھاتے، ایسا کرنا یہود و نصاریٰ کی نقل ہے، اور ایسا کرنے سے پیارے پیغمبر ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَهْلِ الْکِتَابِ اُکْلَةُ السَّحَرِ ۔ " [صحیح مسلم]

''ہم مسلمانوں اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے روزوں میں سحری کھانے کا فرق ہے''، یعنی کہ مسلمان سحری کھاتے ہیں، اور اہل کتاب نہیں کھاتے۔

ان کے علاوہ رمضان المبارک میں عقائد کی بے شمار غیر اسلامی رسومات ہوتی ہیں، مثلاً:

❀...... شبینہ کرنا، یعنی ایک رات میں سارا قرآن پڑھ لینا

❀...... اعتکاف بیٹھنا، صرف اس لیے کہ ہماری مخصوص دعائیں قبول ہوں، یا کھیل تماشہ کرنے کے لیے یا سونے کے لیے، اور اعتکاف میں سختیاں اور نرمیاں اپنی طرف سے کم وزیادہ کر لینا۔

❀......قرآن حفظ کرنا، فقط اس لیے کہ اپنے نام کے ساتھ حافظ یا قاری لگ جائے، اور سارا سال بھلائے رکھنا، پھر رمضان المبارک میں غلطیوں کی بھرمار کے ساتھ سنانا۔

❀...... آخری عشرے میں خواتین کا بازاروں کے چکر پہ چکر لگانا۔

❀...... چاندرات کو شیطان کو خوب خوش کرنا۔

❀......عید کارڈز دینا وغیرہ وغیرہ۔

ماہِ ذی الحجہ اور عید غدیر خم:

شیعہ ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر کا اہتمام کرتے ہیں، اس تاریخ میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر بمقام ''غدیر خم'' پر خطبہ دیا تھا، ان شیعوں کا گمان ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ''نص جلی'' (واضح فرمان) کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو خلافت کا ولی عہد بنایا تھا، اور یہ کام آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فرش بچھا کر بٹھانے کے بعد کیا تھا، اور آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا کہ ''میں جس کا مولیٰ ہوں، اس کے مولیٰ علی بھی ہوں گے۔''

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے اور بزعم خویش حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے محبت رکھنے کے سبب یہ لوگ اس دن کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور طرح طرح کی فرحت ومسرت ظاہر کرتے ہیں۔ رنگ برنگے کھانے تیار کرتے ہیں، دفاتر اور دوکانیں بند رکھتے ہیں، تقریریں کرتے اور مقالات ومحاضرات ماتم کی مجلسوں میں اس طرح پیش کرتے ہیں جن کے بیان سے مصنف تحریر عاجز ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمان بھی اس عید میں شرکت کرتے ہیں۔

اس عید میں ضلالت وگناہ کی بہت ساری باتیں ہوتی ہیں:

❀...... ایک یہ کہ یہ ایجاد شدہ بدعت ہے، اور ہر بدعت ضلالت ہے، اور ہر ضلالت جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔

❀...... دوسرے یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھا جاتا ہے اور ان کی اہانت کی جاتی ہے، انہیں گالی دی جاتی ہے، اور ان کی تکفیر کی جاتی ہے۔ نیز ان کی طرف سے جور وظلم اور غصب وحق تلفی منسوب کی جاتی ہے۔

❀...... کفار کی مشابہت ہوتی ہے، کیوں کہ وہ بھی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے ہیں۔

عید شم النسیم:

یہ عید ان مبتدعانہ عیدوں میں سے ہے جن میں مسلمان مبتلا ہوگئے ہیں اور جو مسلمانوں کے عوام وخواص میں اشاعت پذیر ہیں۔ ان عیدوں میں مسلمان گناہ کے بہت سے کاموں کے مرتکب ہوتے اور یہود ونصاریٰ کی بہت سی عادتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

شیخ علی محفوظ مصری نے اس عید کے سلسلے میں اپنی کتاب ''الابداع فی مضار الابتداع'' میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ قارئین کرام کی خدمت میں ہم پیش کررہے ہیں:

''عید شم النسیم ایک ایسی عید ہے جس کو بت پرستوں نے بعض ایام کی تقدیس کے سلسلے میں ایجاد کرلیا ہے تاکہ اپنے ان دیوتاؤں کا تقرب حاصل کریں جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہیں، یہ عید ہزاروں سال سے جاری ہے، اور مصر کے تمام اطراف وجوانب میں منائی جاتی ہے، اس میں چھوٹے بڑے، عظیم وحقیر ہر قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔

اس دن شہروں اور دیہاتوں میں انسانی عظمت کو داغ دار کیا جاتا ہے، ایسے گناہ ہوتے ہیں کہ ان سے حیا کا چہرہ شرمندہ ہوجاتا ہے، دین کے خلاف ایسی برائیاں ہوتی ہیں جن سے ذوق سلیم مجروح ہوتے اور انسانی سینوں کو انقباض ہوتا ہے۔

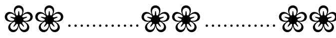
ورزش، ہواخوری، پھولوں کا مشاہدہ وغیرہ ہمیشہ ضروریاتِ زندگی میں سے ہیں، صرف اسی عید شم النسیم ہی کے دن نہیں کہ اس میں کھیتیاں اور خلوت کے مقامات فاجروں اور بداخلاق لوگوں سے بھر جاتے ہیں، اور فساد وخساست کی باتیں ان جگہوں میں عام ہوتی ہیں، یہ سارے مقامات فسق وفجور اور معاصی کے بازار میں بے حیائی وپردہ داری کے میدان چراگاہ ہوتے ہیں، جس کسی بھی کھیت یا راستہ سے گزرا جائے تو ایسی باتیں دکھائی دیتی ہیں جن سے ہر شریف آدمی شرمسار ہوجائے گا اور ہر زندہ آدمی تکلیف واذیت محسوس کرے گا، زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس دن کا نام فجور ونحوست کا دن رکھا جائے۔

اس دن موٹریں اور سواریاں بے لگام لوگوں کو لیے ہوئے تیزی سے دوڑ رہی ہیں۔ جوان، بوڑھے، مرد، عورتیں اور بچے ایک دوسرے کے ساتھ موجیں لے رہے ہیں، سب کے سب باغات اور دریاؤں کی طرف سیر کررہے ہیں، پانی کے اوپر کشتیاں نوجوان مرد عورتوں سے بھری ہیں، لوگ پانی پر عورتوں سے فسق وفجور کررہے ہیں، اور نشہ آور اشیاء نیز شرمناک حرکات کرنے میں افراط وزیادتی سے کام لیتے ہیں۔

جو آدمی اس دن اپنی عزت اور دین کی سلامتی چاہتا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے گھر میں چھپا رہے اور اپنے گھر والوں کو نیز جو لوگ بھی اس آدمی کے ماتحت ہوں انھیں گھر سے نکلنے سے روک دے تاکہ وہ یہود ونصاریٰ کے ان مراسم اور فاسقوں فاجروں کے ساتھ شریک نہ ہوسکیں، اور اللہ تعالیٰ کے احسان ورحمت کے ساتھ کامیاب ہوسکیں۔'' [ابداع فی مضار الابتداع بحوالہ بدعات اوران کا شرعی پوسٹ مارٹم]

عیدنوروز:

یہ عید ہر سال اوّل برج حمل میں فصل ربیع کے ابتدائی زمانے میں پڑتی ہے۔ یہ آتش پرست فارسی مجوسیوں کی عید ہے۔ ایران میں فارسی لوگ ہمیشہ اس تہوار کو مناتے آئے ہیں، اس دن کا اہتمام اور اس دن خوشی منانا صرف فارسیوں پر موقوف نہیں بلکہ بہت سے مدعیانِ اسلام بھی یہ کام کرتے ہیں۔ خصوصاً سلاطین، وزراء، تاجرین، اعیان، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ذمہ دار لوگ۔ اس دن یہ لوگ خوشی، مسرت، سرور، لطف انگیز مجالس، آرائش وزیبائش اور ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کا ایسا مظاہرہ کرتے ہیں جو بیان سے باہر ہے، یہاں کی اکثریت ایسی ہے کہ جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا اتنا اہتمام نہیں کرتی جتنی اس مجوسی وفارسی عید کا اہتمام کرتی ہے۔ حالاں کہ یہ کفر اور آتش پرستوں کا شعار ہے۔ اس عید کی محفلوں میں مسلمانوں کو شریک ہونا جائز نہیں، اور نہ فارسیوں کو اس موقع پر پیام مبارک باد دینا درست ہے۔ مسلمانوں کی دو عیدیں ہی بہتر ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ [بحوالہ بدعات اوران کا شرعی پوسٹ مارٹم] **[جاری ہے]**



صحیحین میں غنائے جاریتین کی روایت

اہل اشراق کے جواب کا جائزہ

ابوالبدر ارشاد الحق اثری، فیصل آباد

گانے والیاں کون تھیں؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس غنائے جاریتین کی روایت میں ایک محل بحث بات یہ بھی تھی کہ ''جاریتان'' کا لفظ کس مفہوم میں وارد ہوا ہے۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ حافظ ابن جوزی، حافظ ابن تیمیہ، علامہ نووی، حافظ ابن قیم وغیرہ رحمہم اللہ اس سے مراد چھوٹی بچیاں لیتے ہیں۔ جب کہ اہل اشراق کا اصرار ہے کہ اس سے مراد ''لونڈیاں'' ہیں۔ ''لونڈیاں'' ہی نہیں بلکہ وہ تو انہیں ''پیشہ ور مغنیہ'' اور ''ماہر فن مغنیات'' قرار دیتے ہیں۔ اور اس حدیث پر ''عید پر موسیقی'' کا عنوان قائم کر کے ''موسیقی'' کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور اسے ''مباحات فطرت'' میں شمار کرتے ہیں۔ یہ ساری تفصیل پہلے قارئین کرام کے علم میں آ چکی ہے۔

''جاریہ'' سے لونڈیاں مراد لینے کی تائید میں پہلے یہ فرمایا گیا کہ ''صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر نے اس کا مفہوم لونڈیاں مراد لیا ہے۔'' ہم نے عرض کیا کہ وہ تو لونڈیاں سمجھتے ہوئے بھی انہیں پیشہ ور مغنیہ قرار نہیں دیتے۔ تازہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''ان لونڈیوں کو پیشہ ور مغنیہ قرار دینے کی بات ہم نے ہرگز ابن حجر کی طرف منسوب نہیں کی۔'' [اشراق، ص:۶۵]

جناب من! دوٹوک الفاظ سے اگر نہیں کہا تو آپ کے اس ارشاد کا کیا مفہوم ومقصد ہے کہ ''پیشے کے طور پر گانا گانے کا احتمال چھوٹی بچیوں کے بارے میں نہیں، بلکہ لونڈیوں کے ہی کے بارے میں پیدا ہوسکتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے غالباً انہی قرائن کی بنا پر ان کو لونڈیوں کے معنی میں لیا ہے۔'' بات تو صاف ہے کہ جب آپ ''پیشہ کے طور پر گانا گانے'' کا تعلق لونڈیوں ہی سے تسلیم کرتے ہیں تو وہ لونڈیاں پیشہ ور مغنیہ کیوں نہ ہوئی؟ ''پیشہ کے طور پر گانا گانے'' اور ''پیشہ ور مغنیہ'' کے مابین فرق کیا ہے؟ انہیں گانے والی ''لونڈیاں'' تو تسلیم کیا جائے مگر ان کے ''پیشہ ور مغنیہ'' ہونے کا انکار کیا جائے۔ عجیب تضاد فکری یا پریشان خیالی ہے۔

چلئے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اہل اشراق نے حافظ ابن حجر کی طرف ان لونڈیوں کے ''پیشہ ور مغنیہ'' ہونے کا انتساب نہیں کیا۔ مگر انھوں نے لونڈیوں کے پیشہ ور ہونے کی جونفی کی اس کا مفہوم کیا ہے۔ تازہ ارشاد اس حوالے سے یہ ہوا کہ ان کی نفی یہ ہے کہ ''کوئی عورت مغنیات کے معروف طریقے کے مطابق لے، سر اور آواز کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اور بے ہودہ اشعار کے ذریعے سے ہیجان خیزی اور شوق انگیزی کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ وہ اس بات کی نفی نہیں کرتے یہ دونوں لونڈیاں با قاعدہ اور معمولاً گانے والی تھیں۔''

[اشراق، ص:۶۶]

چلئے ہم یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں وہ ''لونڈیاں با قاعدہ گانے والی'' تھیں۔ مگر ''مغنیات کے معروف طریقے لے، سر اور آواز کے اتار چڑھاؤ'' کے ساتھ گانے والی نہ تھیں۔ مگر پلٹ کر پہلے یہ دیکھئے کہ پہلے سے ان لونڈیوں کے ''غنا'' سے استدلال کیا تھا۔ پہلے تو اس حدیث پر ''عید پر موسیقی'' کا عنوان قائم کیا گیا۔ بتلایا جائے کہ موسیقی، معمول کے گانے کو کہتے ہیں یا با قاعدہ فن اور ترکیب کے ساتھ لے، سر اور

آواز کے اتار چڑھاؤ کو کہتے ہیں؟

اسی ضمن میں فرمایا گیا کہ ''گانے والیاں جو ماہر فن مغنیات تھیں'' نیز یہ بھی کہ ''لازم ہے کہ اس سے لونڈیاں ہی مراد لیا جائے اور لونڈیاں بھی وہ جو ماہر فن مغنیات کی حیثیت سے معروف تھیں۔''

[اشراق، ص:۲۰ مارچ ۲۰۰۴ء]

یہی بات اشراق ص:۲۸ مارچ ۲۰۰۶ء میں دہرائی گئی اور اس موقف کا بھرپور دفاع کیا گیا۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ انھوں نے سادہ آواز سے اشعار پڑھے تھے۔ اس پر بڑے غیظ وغضب سے فرمایا گیا کہ "تغنیان" کے معنی یہ کرنا کہ ''وہ سادہ آواز سے اشعار پڑھ رہی تھیں'' کس بنا پر کیا گیا ہے؟ کسی رائج لفظ کے مفہوم، اطلاق اور مصداق میں تصرف اور اسے نئے معنی پہنانے کا اختیار ہمیں یا آپ کو کس نے دیا ہے؟'' [اشراق، ص:۳۹ مارچ ۲۰۰۶ء]

جب اہل اشراق لونڈیوں کے اس گانے کو ''موسیقی'' کے جواز کی دلیل، سادہ آواز سے نہیں بلکہ ''ماہر فن مغنیات'' کی طرح گا، گا کر اشعار پڑھنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو پھر ہماری اس تعبیر سے اب انکار کیوں ہے کہ اہل اشراق کا ''اپنے چبائے ہوئے نوالوں کو حافظ ابن حجر کے منہ میں دینا کوئی دانش مندی نہیں۔''

[الاعتصام واشراق، ص:۴۳ جون ۲۰۰۷ء]

حافظ ابن حجر 'جاریتان' کا مفہوم لونڈیاں لیں اور انہیں پیشہ ور مغنیہ قرار نہ دیں مگر اہل اشراق انہیں پیشہ ور مغنیہ سمجھیں اور لونڈیاں ہونے پر اصرار حافظ ابن حجر کے قول سے کریں، اس کے ساتھ اب یہ فرمائیں کہ ''ان لونڈیوں کو پیشہ ور مغنیہ قرار دینے کی بات ہم نے ہرگز ابن حجر کی طرف منسوب نہیں کی'' بتلایے اس ہوشیاری کو ہم کیا نام دیں!

لیکن اگر انھوں نے اپنا موقف تبدیل کرلیا ہے اور حافظ ابن حجر کی دونوں باتوں کو تسلیم کرلیا ہے تو یہ تبدیلی خوش آئند ہے۔ اس سے ''عید پر موسیقی'' اور ''ماہر فن مغنیات'' کے مظاہرے پر جواز کا استدلال ہباءً منثوراً ہو کر رہ جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ "ولیستا بمغنیتین" کے قائل کا منشا ان لونڈیوں کے پیشہ ور مغنیہ ہونے کے احتمال کی نفی ہے اور یہ احتمال چھوٹی بچیوں کے بارے میں پیدا نہیں ہوتا۔ پیشہ ور مغنیہ کا احتمال بالغ لڑکیوں، خواہ وہ آزاد ہوں یا لونڈیاں، کے بارے میں پیدا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے اور اس کی نفی کر رہا ہے۔'' [اشراق، ص:۶۶]

قابل غور بات یہ ہے کہ "جاریتین" سے موسیقی کے جواز پر استدلال ہے یا "تغنیان" سے؟ ظاہر ہے کہ غناء کے جواز کی بنیاد ان کا گانا ہے محض ''جواری'' ہونا نہیں۔ اگر وہ ''جواری'' بچیاں تھیں تو کیا غناء کے جواز کا استدلال ختم ہو جاتا ہے؟ اور کیا دس بارہ سال کی بچیاں یہ شغل اختیار نہیں کرسکتیں؟ بچوں کے اس شغل کا مظاہرہ کیا آج بھی میڈیا پر موجود نہیں؟ لہٰذا جب بنائے استدلال غناء ہے تو راوی نے اس کی نفی کی ہے کہ وہ ماہر فن مغنیہ کے گیت نہ تھے۔ بتلایے اس پر اشکال کیا ہے؟

پھر یہ بات تو عجیب ہے کہ ''پیشہ ور مغنیہ ہونے کا احتمال بالغ لڑکیوں، خواہ وہ آزاد ہوں یا لونڈیاں، کے بارے میں پیدا ہونا زیادہ قرین قیاس ہے'' اب یہاں ان پیشہ ور مغنیہ کے بارے میں ''بالغ آزاد لڑکیوں'' کا احتمال کہاں سے آ گیا۔ اب تلک وہ لکھتے رہے ہیں کہ ''عرب معاشرت میں لونڈیاں ہی اس فن کو بطور ایک پیشے کے اختیار کیا کرتی تھیں۔'' [اشراق، ص:۶ ۳ ستمبر ۲۰۰۶ء]

اس لیے یہاں ''آزاد بالغ لڑکیوں'' کا احتمال بہرحال درست نہیں۔ یہ طریقہ بچیوں یا لونڈیوں ہی کا تھا جیسا کہ پہلے ہم اس سلسلہ مضامین میں وضاحت کر چکے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جاریتین کے بارے میں حافظ ابن حجر نے جو فرمایا کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں۔ انھوں نے ان لونڈیوں کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک ان میں حمامہ تھیں اور الاصابہ میں انھوں نے اس کا ذکر حمامہ المغنیہ کے لقب سے کیا ہے۔ جب کہ دوسری کا نام زینب تھا جیسا کہ المحاملی سے انھوں نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ اور انہی کے حوالے سے

اشراق، ص:۶۶ میں ان ناموں سے ان کے لونڈیاں ہونے کے ثبوت میں ذکر ہے۔

عرض ہے، پہلی روایت پر تبصرہ پہلے ہم ایک مضمون میں کر چکے ہیں۔ اہل اشراق کی اس پر خاموشی بہ ظاہر اس کو تسلیم کر لینے کی دلیل ہے۔ اگر وہ مزید اس پر اپنے زاویۂ فکر سے گفتگو کرتے تو ہمارے لیے بھی کچھ مزید عرض کرنے کی تقریب ہو جاتی۔

رہی زینب کے بارے میں روایت تو اس کی سند خود حافظ ابن حجر نے الاصابہ میں زینب الانصاریہ کے ترجمہ میں ذکر کی ہے۔ مگر وہ سند ہی قابل اعتبار نہیں۔ اس کا ایک راوی صفوان بن هبیرہ ہے جسے خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "لین الحدیث" قرار دیا ہے۔

[تقریب، ص:۱۵۳]

اور علامہ ذہبی نے اس کے بارے میں "لا یعرف" کہا ہے۔ [المغنی، ج:۱، ص:۳۰۹] اور میزان [ج:۲، ص:۳۱۶] میں اس کی حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔ ایک دوسرا راوی ابوالاصبغ ہے جس کا ذکر امام بخاری نے الکنیٰ [ص:۵] میں کیا اور انھی کے حوالے سے بعد کے حضرات نے بھی اس کا ذکر کیا ہے مگر کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اس نے یہ روایت ''جمیلہ'' سے لی ہے اور اس کا تذکرہ بھی کہیں نہیں ملتا۔ اب انصاف فرمائیں جس کا ایک راوی کمزور یا مجہول، دوسرا اور تیسرا بھی غیر معروف ہو ایسی روایت سے استدلال کہاں تک درست ہے!

اس لیے جب یہ بنیاد ہی درست نہیں تو اس پر اعتماد بھی درست نہیں۔ اس سلسلے کی باقی روایات پر ہم پہلے بھی نقد کر چکے ہیں جس کے بارے میں اہل اشراق نے خاموشی ہی مناسب سمجھی ہے۔ اس لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہوں یا علامہ کشمیری، انھوں نے اگر مراد لونڈیاں لی ہیں تو اس کی کوئی مضبوط اور قابل اعتماد بنیاد ہی نہیں۔ اس لیے ہم یہی عرض کریں گے کہ ثبت العرش ثم انقش

یہاں آخر میں ہم اہل اشراق کے ایک معتمد خاص جناب محمد رفیع مفتی صاحب کا حوالہ پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں اور یہ محض اس لیے کہ شاید یوں ہی اتر جائے ترے دل میں مری بات۔ چناں چہ موصوف نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دف بجانے والی بچیوں کو منع کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انہیں منع کرنے سے روک دیا۔'' [تصویر کا مسئلہ، ص:۸۳ مطبوعہ المورد]

لہٰذا اگر ''دل'' کی یہ بات منہ سے نکل ہی گئی ہے تو "شهد شاهد من اهلها" کے مطابق اسے قبول کر لینے میں کوئی حجاب مانع نہیں ہونا چاہیے۔

اسی کے ساتھ ہم اپنی معروضات ختم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں اسی صراطِ مستقیم پر قائم رکھے جس پر انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور سلف صالحین تھے، آمین۔



نقطہ نظر

اوراب یک جہتی کشمیر تہوار......!

محمد سلیم چنیوٹی

انگریز جاتے جاتے برصغیر میں ایسے مسائل چھوڑ گیا کہ ہماری مملکت پاکستان کی عمر ساٹھ برس ہونے کے باوجود وہ مسائل لاینحل ہی رہے ہیں۔ یوں تو یہ مسائل بے شمار ہیں، مثلاً:

⦿...... پاکستان جن علاقوں اور جس محل وقوع پر مشتمل ہونا چاہیے تھا وہ علاقے اسے مل نہ سکے اور اُس قرار دیے گئے نقشے پر قائم نہ کیا گیا جو اس وقت پاکستان بنانے والوں کے ذہنوں میں تھا۔

⦿...... پاکستان کو اس کی قسمت کا جو پانی میسر ہونا چاہیے تھا یعنی اس کے حصے میں آنے والے دریا اور نہریں اسے نہ دی گئیں۔

⦿...... دوقومی نظریہ کہ ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اسی لیے انھیں الگ الگ ملک میں رہنا ہوگا۔

مگر آج یہ دوقومی نظریہ مذاق بن کر رہ گیا ہے۔ ریاستیں یعنی سلطنتیں تو دو قائم ہوگئیں، ہندو پاک میں تو بٹ گئیں مگر بیش بہا خون بہنے، خاندانوں کے خاندان اجڑنے کے بعد ان زخموں پر بڑی بے دردی سے نمک پاشی کر کے ہندوستان کے ساتھ تجارت کو فروغ دیا گیا۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ عالم ہو چکا کہ بھارت سے مال ارزاں نرخوں پر خریدا جاتا ہے اور پھر پاکستان کے عوام کی چمڑی اس طرح ادھیڑی جاتی ہے کہ انڈیا سے پاکستان آنے والے افراد ہماری بے بسی پہ ہنستے ہیں کہ یہاں کے باسیوں کو کیسے بے وقوف بنایا جارہا ہے۔

اب رہ گئی بے چاری کشمیر کی ''یک جہتی'' یہ سالانہ تہوار بن چکا ہے اور گزشتہ اٹھارہ سال سے پانچ فروری کو یہ دن منایا جارہا ہے اور چند سالوں سے ملکی سطح پر تعطیل ہوتی ہے۔ ریلیاں اور جلسے کر کے کشمیر کے نام پر واویلا سا مچ جاتا ہے اور بس......!

کشمیر کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے کہ یہ تا قیامت حل ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ کیوں کہ بھارت اور پاکستان کے حکمران اس مسئلے کے حل میں سنجیدہ نہیں ہیں۔ اس مسئلے کے حل کی کنجی بھی تو برطانیا کے پاس ہی ہے۔ یہ کنجی وہ گھمائے تو مسئلہ آج ہی حل ہوجاتا ہے۔ یہ چند باتیں ایسی ہیں کہ دلِ دردمند رکھنے والے افراد کے ذہنوں میں ضرور ہوں گی۔ ان سے جزوی اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے مگر سوچا جائے تو کشمیر کے حصول کے لیے ہمارے لوگوں نے اپنے جان ومال کی گراں قدر قربانیاں بھی دی ہیں۔ اللہ کرے یہ قربانیاں رنگ لائیں اور یک جہتی کشمیر پورے کشمیر کی سرزمین پر منائی جائے۔ یہ آزاد جموں ومقبوضہ کشمیر کی بندر بانٹ اب ختم ہوجانی چاہیے۔ محض ''یک جہتی کشمیر'' کے نام پر تہوار منعقد کر کے سالانہ یاد منالینا ہی کافی نہیں۔ اگر مسئلہ کشمیر حل کرنا ہی ہے تو پھر عمل کی طرف آنا چاہیے نہ کہ صرف یادیں ہی مناتے عمر بیت جائے۔

خدا کرے ہمارے دل کی آرزوئیں پوری ہوجائیں۔ لوٹ کھسوٹ کے ذریعے کی گئی خشک دھرتی پر دریا اپنی پرانی حالت پر سیراب ہوجائیں۔ نہریں اپنی سابقہ حالتوں میں آ کر پانیوں سے شرابور ہوجائیں۔ قحط کی سی مہنگائی کے عذاب سے اہل وطن چھٹکارا پاجائیں۔

ہماری درخواست ہے کہ مسئلہ کشمیر کو صحیح بنیادوں پر حل کیا جائے اور اسے سالانہ تہوار کی بجائے حقیقتاً حل کر کے اپنی نیتوں کو صاف کر کے دکھایا جائے۔ **وما توفیقی الا باللہ**



سیرت النبی ﷺ کانفرنس

جامع مسجد اتحاد بدوملہی ضلع نارووال کی سالانہ آٹھویں سیرت النبی ﷺ کانفرنس یکم مارچ ۲۰۰۸ء بروز ہفتہ منعقد ہوگی۔ مولانا عبدالرحمٰن شیخوپوری، محمد یوسف پسروری اور فداء الرحمٰن طیب خطاب کریں گے۔ چوہدری نذیر احمد اسد صاحب نگران ہوں گے۔

[محمد مصعب عبقری]

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

اسوۂ حسنہ

تالیف: قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ

ضخامت: ۶۴ صفحات

قیمت: ۴۵/- روپے

ملنے کے پتے: دار الکتب السّلفیہ، مکتبہ اسلامیہ، دار الفرقان، مکتبہ محمدیہ لاہور

ناشر: عبدالرحمٰن عابد، مکتبہ محمدیہ، قذافی سٹریٹ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور

تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

زیر تبصرہ کتابچہ جناب سرورِ دو عالم ﷺ کی پاکیزہ زندگی پر مرتب شدہ ہے اور مشہورِ عالم سیرت نگارِ رسول ﷺ، حضرت قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری رحمہ اللہ کی تین تقاریر پر مشتمل ہے۔ یہ تقاریر کیا ہیں؟ خزینہ علوم ومعارف ہیں کہ جس میں نبی اطہر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے گوشے ایک خاص ترتیب واسلوب سے بیان کیے گئے ہیں کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ان تقاریر میں دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کا ذکر کر کے مؤلف موصوف نے ایک بہترین تجزیہ کیا کہ بڑے بڑے کارنامے انجام دے کر بھی یہ لوگ اپنی زندگی کو نمونہ نہ بنا سکے کہ دیگر لوگ انھیں اپنے لیے نمونے کے طور پر اپنا لیں۔ مگر ان سب بڑے لوگوں کے برعکس فخر موجودات، خاتم الانبیاء علیہ السلام کی زندگی اپنے طور طریقوں سے ایسی قرار دی گئی کہ اللہ کریم نے خود اپنے کلام میں انھیں لوگوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دے دیا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ

سیرتِ رسول ﷺ پر مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ کتابچہ بڑا مفید ہے۔ کارڈ کور لیمینیشن اور طباعت اچھی ہے۔ کمپیوٹر کمپوزنگ ہے۔

حرارتِ ایمان یعنی ایمان کو گرما دینے والے واقعات

تالیف: مولانا ابو یاسر حفظہ اللہ

تخریج: مولانا عبدالغفار محمدی حفظہ اللہ

ضخامت: ۴۲۴ صفحات

قیمت: ۲۵۰/- روپے

طابع وناشر: مکتبہ محمدیہ، قذافی سٹریٹ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

وعظ وتقریر میں مستند واقعات کا بیان ایسے ہے جیسے ریشمی قباء میں ستارے ٹانک دیئے گئے ہوں۔ اس لیے واعظ وخطیب حضرات اپنے وعظوں اور تقریروں میں اکثر وبیشتر واقعات کا سہارا لیتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے بغیر نہ محفل رنگ پر آتی ہے نہ سامعین کے جذبات میں آگ لگتی ہے، نہ فضا نعرہ ہائے تکبیر سے گونجتی ہے۔ اس لیے اکثر واعظ وخطیب حضرات اس کی پروا نہیں کرتے کہ جو واقعہ وہ بیان کرنے جارہے ہیں ان کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

مولانا ابو یاسر نے واعظوں اور خطیبوں کی اس ضرورت کے پیش نظر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بیان کیے گئے واقعات کو اس کتاب میں یکجا کر دیا ہے۔ اس سے نہ صرف ضرورت کے وقت تلاش واقعات کی زحمت سے ان کو بچا لیا ہے بلکہ ان کے لیے مستند مواد مہیا کر کے غلط اور غیر مستند قصے کہانیوں کے بیان سے محفوظ کر دیا ہے۔ اس لیے یہ کتاب واعظوں، خطیبوں اور مقرر حضرات کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ رہے عام افراد تو وہ بھی اس کو پڑھ کر ان سے نتائج اخذ کر کے اپنے ایمان کو حسن توفیق گرما سکتے ہیں۔

کمپیوٹر کمپوزنگ، سفید کاغذ، عمدہ طباعت اور مضبوط جلد اس کے

حسن کا جھومر ہیں۔ حسین ٹائٹل اور خوب صورت ودلکش گرد پوش نے اس کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔

آداب الدعاء

مؤلف: مولانا محمد حنیف یزدانی رحمہ اللہ

ضخامت: ۱۳۶/- صفحات

قیمت: درج نہیں

طابع وناشر: مکتبہ محمدیہ، قذافی سٹریٹ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور

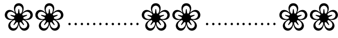
سٹاکسٹ: دارالکتب السّلفیہ، شیش محل روڈ۔ لاہور

تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

کتاب کا موضوع اس کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں بندے کو اپنے رب سے دعا مانگنے کا طریقہ وسلیقہ سکھایا گیا ہے۔ ایک بات اگر پھوہڑ پن سے کہی جائے تو نہ صرف وہ اپنی قدر وقیمت کھو دیتی ہے بلکہ کہنے والے کی عزت ووقار کو بٹہ بھی لگا دیتی ہے۔ لیکن اگر طریقے اور سلیقے سے کسی کو بے داد بھی دی جائے تو بے داد پانے والا بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک آدمی انتہائی خلوص کے ساتھ نہایت عجز وانکساری کے ساتھ گڑگڑا کر اپنے رب سے دعا مانگے تو اس کی بارگاہِ اقدس میں یقیناً بار پائے گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی دعائیں بھی قبولیت کی منزل پر فائز ہوں اور آپ مستجاب الدعوات بن جائیں تو اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع تک محدود نہیں بلکہ دیگر سوالات کا جواب مہیا کرتی ہے۔ مثلاً یہ کہ دعا کیوں مانگی جائے، کس سے مانگی جائے، کب کہاں اور کیسے مانگی جائے۔ دعا کے فضائل ومسائل کے علاوہ اس میں تحقیق من دون اللہ، سماع موتی اور آیت وسیلہ کی نہایت عمدہ تفسیر بیان کی گئی ہے۔ کتاب کیا ہے علم ومعلومات کا ایک خزانہ ہے اور بقیمت کہتر بقامت بہتر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اگر قرآن وحدیث سے روز مرہ مانگی جانے والی دعاؤں کا انتخاب کر کے اس کے آخر میں اضافہ کر دیا جاتا تو کتاب کی افادیت دو چند ہو جاتی۔ کتاب کی کمپوزنگ کمپیوٹر پر کی گئی ہے۔ سفید کاغذ، اعلیٰ طباعت، سہ رنگہ خوب صورت اور دلکش کارڈ کور اس کی اضافی خوبیاں ہیں۔



مولانا محمد ابراہیم خلیل (بورے والا) کی وفات

مولانا محمد ابراہیم خلیل (نائب ناظم جمعیت اہل حدیث پنجاب) وناظم جمعیت اہل حدیث ضلع وہاڑی یکم فروری ۲۰۰۸ء کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نمازِ جنازہ حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے پڑھائی۔ کثیر احباب شریک جنازہ ہوئے۔ [حمزہ طور، گوجراں والا]

اظہارِ تعزیت

مولانا حافظ محمد شریف مدرس مرکز تربیت الاسلامیہ فیصل آباد، کی والدہ محترمہ کی وفات پر حافظ عبدالغفار روپڑی، حافظ عبدالوہاب روپڑی نے موصوف کے آبائی گاؤں بھمبہ کلاں ضلع قصور میں تعزیت کی اور مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی اور حافظ صاحب سے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ قارئین بھی دعائے مغفرت فرمائیں۔

[شہادت طور، منیجر ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث، لاہور]

مولانا عبدالحمید کے والد کا انتقال

مولانا عبدالحمید (کھنہ لبانہ والے) کے والد حاجی عبدالرحمٰن رحمانی حال مقیم مرید کے ۲۷ جنوری ۲۰۰۸ء بروز اتوار قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ مرحوم ایک صالح انسان تھے۔ ان کا حافظ عبداللہ محدث روپڑی، حافظ عبدالقادر روپڑی اور حافظ محمد اسماعیل روپڑی رحمہم اللہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا۔ مرحوم نے قرآنِ مجید کا بہت سا حصہ چلتے پھرتے تجارت کے دوران یاد کیا۔ وہ علمائے حق کے بڑے قدر دان اور مساجد کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے تھے۔

نمازِ جنازہ مناظر اسلام حافظ عبدالوہاب روپڑی نے پڑھائی، کثیر تعداد میں علمائے کرام اور دیگر احباب شریک ہوئے۔

[شہادت طور، منیجر ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث، لاہور۔ 0300-4583187]



ہر چند آدمی ہے دلِ آدمی کا حسن
ہے زندگی اسی سے ، یہی زندگی کا حسن
یہ عرش و فرش و ارض و فلک ہے اسی کا حسن
لیکن لٹا چکا ہے یہ خود آگہی کا حسن
اس کو خود اپنی ذات کا ادراک ہی نہیں
انساں ہے کائنات ، کفِ خاک ہی نہیں

گو معتبر خود اپنی نظر میں ہے آدمی
امکانِ بے جہت کے اثر میں ہے آدمی
صدیوں سے ابتدائے سفر میں ہے آدمی
بے علم ہے ، جہانِ خبر میں ہے آدمی
اُٹھا ہے جب سے علم کی روشن بساط سے
محروم ہو چکا ہے یہ رنگ نشاط سے

علم ایک اور چیز ، خبر اور چیز ہے
اصل ہنر کچھ اور ، ہنر اور چیز ہے
عزت کچھ اور چیز ہے ، سر اور چیز ہے
اہل نظر کو حسن نظر اور چیز ہے
جو اصل تھا ، وہ صرفِ نظر ہو کے رہ گیا
اب علم صرف ایک خبر ہو کے رہ گیا